

جمادی الاولی ۱۴۲۳ھ

دسمبر ۲۰۲۲ء



# بیشاق

ماہنامہ

کے از مطبوعات  
تنظيمِ اسلامی  
بانی: داڑھ راجحہ

جدیدیت کے شیطانی ہتھکندے  
اور قرآنی تنبیہات

حافظ عاطف وحید



داعی رجوع الی القرآن بابی تبلیغ اسلامی

محترم داکٹر احمد حسین

کے شہرہ آفاق دورہ ترجمہ قرآن پرشتمل

# بیان القرآن

ترجمہ و مختصر تفسیر

اب دوانداز سے دستیاب ہے

- خوبصورت ٹائٹل ○ عمدہ سفید کاغذ ○ معیاری طباعت
- 1 2935 صفحات پر مشتمل، سات جلدیوں میں  
(الگ الگ جلدیں بھی دستیاب ہیں!)
- کمل سیٹ کی قیمت: 6000 روپے

- 2 متعدد اضافی خوبیوں کا حامل، طبع جدید
- قرآنی رسم الخط ● تفسیری سائز ● مضبوط ریز یہن جلد
- 2560 صفحات پر مشتمل، چار جلدیوں میں  
کمل سیٹ کی قیمت: 6000 روپے

مکتبہ خدام القرآن لاہور

K-36، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون 3-35869501 (042)

وَإِذْ كُرُوا نَعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمِنْ أَنَّا هُنَّا الَّذِي أَنْقَلَمْنَا إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطْعَنْنَا (السَّائِدَة: ٧)  
ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل اور اس کے میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جکب تم نے اقرار کیا کہ ہم نے ماں اور اطاعت کی!

# میثاق

ماہنامہ

اجرائی ثانی

ڈاکٹر اسرار احمد

جلد : 71  
شمارہ : 12  
جمادی الاولی 1444ھ  
دسمبر 2022ء  
فی شمارہ : 40 روپے  
سالانہ زیر تعاون: 400 روپے

مُدِير  
حافظ عاکف سعید

نائب مُدِير  
حافظ خالد محمود خضر

## مکتبہ خدام القرآن لاہور

مقام اشاعت: 36۔ کے ماؤنٹ ٹاؤن لاہور 54700، فون: 3-53869501

فیکس: 35834000، ای میل: maktaba@tanzeem.org

تریلر زر: مکتبہ مرکزی انجممن خدام القرآن لاہور

رابطہ برائے ادارتی امور: (042) 38939321

publications@tanzeem.org

ویب سائٹ: [www.tanzeem.org](http://www.tanzeem.org)

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: ”دواڑ الاسلام“ ملٹان روڈ چوہنگ لاہور  
(پوٹھ کوڈ 53800) فون: 78-35473375 (042)

پبلیشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجم خدام القرآن لاہور

طابع: رشید احمد پوہنڈی مطبع: مکتبہ جدید پرنس (پرانیویٹ) لیمنڈ

# مشمولات

## عرضِ احوال

5 ————— ”جوائے لینڈ“ اور مولانا ابوالکلام آزاد ادارہ

## بیان القرآن

9 ————— سورۃ القلم ڈاکٹر اسرار احمد

## تذکرہ و تبصرہ

26 ————— جدیدیت کے شیطانی ہتھکنڈے اور قرآنی تنبیہات حافظ عاطف وحید

## یادِ رفتگار

37 ————— واہ! ڈاکٹر اسرار احمد ڈاکٹر محمد شریف نظامی

## دعوتِ فکر

40 ————— شرم و حیا: شعورِ ذات کا تقاضا راحیل گوہر صدیقی

## تذکرہ و موعظت

47 ————— نظر وں کی حفاظت احمد علی محمودی

## انوارِ حدایت

61 ————— اللہ تعالیٰ کی توحید سے گریز کیوں؟ پروفیسر محمد یونس جنحوعد

## ہماری معيشت

65 ————— سود: ایک سنگین گناہ حافظ محمد اسد

## سیرتِ صحابہ

69 ————— سیدنا عباس بن عبدالمطلب (رضی اللہ عنہ)

## علومِ قرآنی

73 ————— اقسامِ وجی اور قرآنی حکیم پروفیسر حافظ قاسم رضوان

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

## ”جوائے لینڈ“ اور مولانا ابوالکلام آزاد

ٹرانس جیبند رائیکٹ ۲۰۱۸ء میں پاکستان کی قومی اسمبلی سے اس قدر عجلت میں پاس ”کروایا“ گیا کہ قوم کی اکثریت کو خبر نہ ہو سکی کہ اسلام کے نام پر بننے والے ملک اور مسلمان معاشرے سے کیا کھلواڑ کیا جا رہا ہے۔ پاکستانی میڈیا یوں تو صحفت اور خبر سانی کے بلند آہنگ دعوؤں میں ساری دنیا کو پیچھے چھوڑنے میں رہتا ہے، لیکن جہاں اسلام اور اسلامی معاشرت پر حملوں کی بات آتی ہے تو وہاں چپ سادھ لیتا ہے۔ درحقیقت ہمارا میڈیا بھی ان میں الاقوامی اثرات کی زد میں ہے جو اسلامی معاشرت کو سرے سے مٹانا چاہتے ہیں۔ جس طرح نائن الیون کے بعد پاکستانی میڈیا نے علمی ایجنسٹ کے تکمیل کے لیے خدمات سرانجام دیں اسی طرح پاکستانی قوم کو ٹرانس جیبند رائیکٹ کے حوالے سے بھی کامل اندر ہیرے میں رکھا گیا۔

۲۰۲۱ء کے اوائل میں جماعت اسلامی کے سینئر مشتاق احمد نے ٹرانس جیبند رائیکٹ اور پاکستانی معاشرے پر اس کے مضر اثرات سے اعداد و شمار کی روشنی میں آگاہ کیا تو معلوم ہوا کہ اس قانون کے تحت پاکستانی معاشرے کو قوم لوٹ کی معاشرت میں تبدیل کرنے کا پورا انتظام کیا گیا تھا۔ اس کے بعد مختلف مذہبی حلقوں نے اس قانون کے خلاف آواز اٹھائی۔ عدالتی و قانونی طریقہ کار اپنانے کے راستے ڈھونڈے گئے۔ اس سے پہلے کہ اس غیر شرعی، غیر اخلاقی اور انسانیت باختہ قانون کے خلاف کوئی حصی کامیابی مسلمانان پاکستان کو حاصل ہوتی، مغرب نواز طبقہ کی جانب سے پاکستانی معاشرت پر دوسرا بڑا حملہ ایک بے ہودہ فلم ”جوائے لینڈ“ کے ذریعے کیا گیا جس کا مقصد یہاں ہم جنس پرستی کو فروغ دینا ہے۔ یہ فلم ایک شادی شدہ مرد کی ایک ٹرانس جیبند (یعنی عورت کا روپ دھارے ایک مرد) سے روانس کی کہانی پر مبنی ہے۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون!

بے ہودگی اور بے حیائی کی اس انتہا کو کانز فلم فیشوال میں کوئیر پام ایوارڈ بھی مل گیا۔ یہ ایوارڈ ہم جنس پرستی پر بننے والی فلموں کو دیا جاتا ہے۔ یہ بذاتِ خود اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ فلم LGBTQ+ ہے۔ اس فلم کے پروڈیوسرز میں زیادہ تر غیر ملکی لوگ شامل ہیں، جبکہ پاکستان سے ماہنامہ میثاق 2022ء

شامل افراد بھی غیر ملکی ایجنسٹے کے پرہی عمل پیرا و کھاتی دیتے ہیں۔ ان ملکی اور غیر ملکی پروڈیوسرز میں ملالہ یوسف زئی، سرمد کھوست، اپروا گرو چارن (انس اینجلس میں مقیم بھارتی نژاد امریکی)، شنا جعفری، اولیور رج، لارن مان، کیتھیرین برنسٹ، زمن بھارتی وغیرہ شامل ہیں۔ ملالہ یوسف زئی اس فلم کی ایگزکٹیو پروڈیوسر ہیں۔ کہا جا رہا ہے کہ کسی بڑی سے بڑی فلم کے بھی عام طور پر اتنے پروڈیوسر نہیں ہوتے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک چھوٹی سی پنجابی فلم بنانے پر اتنے زیادہ ملکی اور غیر ملکی پروڈیوسر کیوں اکٹھے ہو گئے ہیں جن میں سے زیادہ تر کو فلم کی زبان بھی سمجھ میں نہیں آتی؟ صاف ظاہر ہے کہ یہ فلم ایک بہت بڑے شیطانی ایجنسٹے کا حصہ ہے جس کا مقصد پاکستان پر ایک بڑا معاشرتی حملہ کرنا ہے۔ ایجنسٹے کے مطابق پاکستان میں اس فلم کی نمائش نومبر ۲۰۲۲ء کے دوسرے عشرے میں ہوئی تھی، لیکن اس شرم ناک فعل کے خلاف پاکستانی عوام کے احتجاج کو دیکھتے ہوئے حکومت نے اس پر پابندی لگادی۔ پھر چند روز بعد یہ یا فسوں ناک خبر آئی کہ وزیر اعظم شہباز شریف نے اس فلم پر پابندی کے خلاف نظر ثانی کے لیے ایک اعلیٰ سطحی کمیٹی بنادی ہے۔ تازہ ترین رپورٹ کے مطابق اس کمیٹی نے فلم کی نمائش کی اجازت دے دی ہے۔ اگرچہ حکومت پنجاب نے اس فلم کی سینما گھروں میں نمائش پر پابندی لگادی ہے لیکن صاف نظر آ رہا ہے کہ بیرونی دباؤ، این جی او ز کے شور و غوا اور لبرل عناصر کی کمپین کے نتیج میں وفاقی حکومت کی طرف سے اس فلم کو نمائش کی اجازت دے دی گئی ہے۔

دانشور کہتے ہیں کہ ایسی چیزیں معاشروں میں اخلاقی اور سماجی اقدار کے بیرونی کوتولے کے لیے لائی جاتی ہیں۔ ہمارے خیال میں ۲۰۱۸ء میں ٹرانس جینڈر ایکٹ منظور کر کے پاکستان میں ایک شیطانی معاشرت کے لیے قانونی دروازہ کھولا جا چکا تھا، لیکن چونکہ عوام ابھی تک اسے قبول کرنے کے لیے تیار نہیں تھے، الحمد للہ، لہذا اب فلم، یہ اور سو شمل میڈیا کے ذریعے ان کی ذہن سازی کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ سینما میں نمائش اس موضوع کو نارمل اور عام بنانے کی ایک کوشش ہے۔ اہل علم و فکر جانتے ہیں کہ اسی انداز میں برسوں پہلے بھارت میں ایک فلم "فائز" بنائی گئی تھی۔ عوامی رو عمل کے باوجود بھارتی حکومت نے بھی بین الاقوامی ایجنسٹے کے آگے تھیار ڈال دیے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے بعد ان موضوعات پر کئی فلمیں اور ٹی وی ڈرامے بنتے چلے گئے، جس کی وجہ سے وہاں مشرقی اقدار و روایات کے بیرونی ٹوٹتے چلے گئے۔ چنانچہ آج وہاں مرد کی مرد سے اور عورت کی عورت سے شادی یعنی ہم جنس پرستی سمیت شیطانی معاشرت عام اور قانونی طور پر جائز ہو چکی ہے۔

بھارت کا قیام چونکہ ایک سیکولر ملک کے طور پر عمل میں آیا تھا، ہندو ہاں ایسی چیزوں کا ہونا تجھ پر مبنی نہیں ہوگا، تاہم پاکستان ایک نظریہ کی بنیاد پر معرض وجود میں آیا تھا۔ تحریک پاکستان کا سب سے مقبول نفرہ تھا: ”پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الہ الا اللہ!“ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کا نام ہی ایک خاص نظریہ سے منسوب ہو کر مسلمانان بر صیر کے دل و دماغ میں رچ بس گیا تھا اور اسی نظریہ کے لیے لاکھوں مسلمانوں نے جان و مال، عزت و آبرہ، گھر بار اور خاندانوں کی قربانیاں دی تھیں۔ دراصل وہ نظریہ روزِ اول سے ہی لفظ پاکستان سے جڑا ہوا ہے۔ جب گول میز کا نفرنسز میں بر صیر کے ہندو اور مسلم لیڈر رسم تھدہ ہندوستان کے وفاقی آئین پر غور و فکر کر رہے تھے تو اس وقت لفظ پاکستان پہلی بار اس آفاقی نظریہ کے ساتھ پاکستان ڈکلیسریشن (Now or Never) میں سامنے آیا تھا:

*"At this solemn hour in the history of India, when British and Indian delegates are laying the foundations of a Federal Constitution for that Sub-continent, we address this appeal to you, in the name of our common heritage, and on behalf of our thirty million Muslim brethren who live in Pakistan."*

یہ تھا وہ نظریہ جس نے پاکستان، اسلام اور مسلمانان بر صیر کے مستقبل کو لازم و ملزم بنادیا تھا، کیونکہ مسلمانان بر صیر کو محبوں ہو گیا تھا کہ متعدد ہندوستان میں رہیں گے تو نہ اسلام بچے گا اور نہ مسلمان۔ اسی زمینی حقیقت کی ترجیحی چودھری رحمت علی نے پاکستان ڈکلیسریشن میں ان الفاظ میں کی تھی:

*"This acceptance amounts to nothing less than signing the death-warrant of Islam and of Muslims in India."*

یہ تھا وہ نظریہ جس کے لیے مسلمانان بر صیر اپنے جوان بیٹوں کی گرد میں کٹوانے پر تیار ہو گئے تھے۔ اپنے گھر بار، چلتے کار و بار چھوڑنے اور عصمتیں لٹانے پر تیار ہو گئے تھے۔ لوگوں نے اگر سیکولر اور لبرل معاشرت کو ہی قبول کرنا ہوتا تو وہ متعدد ہندوستان میں ہی رہ لیتے۔ اتنی زیادہ قربانیوں، صعوبتوں اور مصائب و مشکلات کا سامنا آخر کس لیے کیا؟ جواب صرف ایک ہوگا: اسلام اور اسلامی معاشرت کے لیے۔ Now or Never کی صدائے حق بلند کرنے والے چودھری رحمت علی کی کتاب ”پاکستان“ کے دیباچے میں مترجم کیہ الفاظ آج بھی موجود ہیں: ”مسلمانان ہند کا ایک ہی خواب تھا کہ ہم کسی طرح خلافتِ راشدہ کے نظام کا عکس اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔“

دوسری طرف بر صیر ہی کے ایک بہت بڑے مسلمان لیڈر مولانا ابوالکلام آزاد تھے جو

مسلمانوں کی تقسیم کے خلاف تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ دو دھڑوں میں تقسیم ہونے سے مسلمانوں کی طاقت تقسیم ہو جائے گی۔ ہندوستان میں رہنے والے کروڑوں مسلمان جو ہندو اکثریت کے ظلم و ستم کا شکار رہیں گے پاکستان میں بننے والے مسلمان ان کی کوئی بھی مدد نہیں کر سکیں گے، اور اسی طرح سے پاکستان میں بننے والے مسلمان جس معاشرتی، اقتصادی کمزوری اور ذہنی پسمندگی کا شکار رہیں گے تو ہندوستان میں بننے والے مسلمان ان کی کوئی مدد نہیں کر سکیں گے۔

اگر دیکھا جائے تو یہ دونوں موقف اپنی جگہ ٹھیک تھے۔ یعنی مسلمانوں نے جس نظریہ کے لیے قربانیاں دیں وہ اپنی جگہ مسلمہ حقیقت تھا، کیونکہ انہیں نظر آرہا تھا کہ متحده ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کے لیے کوئی جگہ نہیں ہوگی۔ آج انذیا میں مسلمان کمزور اقلیت ہونے کی وجہ سے اس قدر مصیبیت اور ضعف میں ہیں کہ پھیلتے ہوئے دجالی فتنوں اور منکرات کے خلاف اپنادینی فریضہ تک ادا نہیں کر سکتے، جبکہ دوسری طرف پاکستان میں مسلمان اکثریت میں ہونے کے باوجود اسلام کے نظامِ عدل اجتماعی کے فیوض و برکات سے مکمل طور پر مستفید نہیں ہو سکے اور منکرات کے خلاف ان کی مزاحمت کمزور پڑتی جا رہی ہے۔ ان دونوں ملکوں کے مسلمان اپنی دینی اور معاشرتی اقدار و روایات کی بقا کے لیے آج ایک دوسرے کی کوئی مدد نہیں کر پا رہے، جبکہ ان پر مسلط طبقات سرعام عالمی ایجاد کے پروان چڑھا رہے ہیں۔ بظاہر یہ نظر آرہا تھا کہ قائد اعظم محمد علی جناح اور سرکردہ لیڈروں کے جانے کے بعد پاکستان پر اس اشرافیہ کا قبضہ ہو جائے گا جو انگریز کے سامنے میں پلی بڑھی ہے، اور ہوا بھی بالکل یہی کہ قائد اعظم کی رحلت اور لیاقت علی خان کی شہادت کے بعد فرنگ کے سامنے میں پلا بڑھا سیکولر اور لبرل طبقہ پاکستان میں اسلام کی ترقی و ترویج میں سب سے بڑی رکاوٹ بن گیا۔ آج پاکستان میں ٹرانس جینینڈر ایکٹ اور ”جوائے لینڈ“، جیسی گندگی کے ساتھ ساتھ سود پر مبنی استھانی نظام بھی اسی سیکولر اشرافیہ کی دین ہے۔ اس نے اپنی عیاشیوں اور من پسندی سیاسی پارٹیوں کے غلبہ و اقتدار کے لیے ملک کو قرضوں میں ڈبو دیا۔ اسی وجہ سے عالمی طاقتوں اس اشرافیہ کو بلیک میں کر کے ان سے ہروہ کام کرواری ہیں جو اسلام اور اسلامی معاشرت کے لیے زہر قاتل ہے۔

قائد اعظم نے اسیٹ بینک آف پاکستان کے افتتاح کے موقع پر اپنے خطاب میں فرمایا تھا: ”میں اشتیاق اور دلچسپی سے معلوم کرتا رہوں گا کہ آپ کی مجلس تحقیق بینکاری کے ایسے طریقے کیونکر وضع کرتی ہے جو معاشرتی اور اقتصادی زندگی کے اسلامی تصورات کے مطابق ہوں۔“ آپ نے یہ بھی فرمایا تھا: ”مغرب کے معاشری نظام نے انسانیت کے لیے لا یخال مسائل پیدا کر دیے ہیں اور اکثر لوگوں کی رائے ہے کہ مغرب کو اس تباہی سے کوئی مجرہ، ہی بچا سکتا ہے۔ (باقی صفحہ 82 پر)

# سُورَةُ الْقَلْمِ

## تمہیدی کلمات

جیسا کہ سورۃ الملک کے تعارف میں بھی بیان ہو چکا ہے، زیر مطالعہ مکنی سورتوں میں سے پہلی چھ سوتیں دو خمنی گروپ پر مشتمل ہیں۔ ہر خمنی گروپ میں تین سورتیں ہیں، جن میں ایک سورت منفرد ہے اور دو جوڑے کی شکل میں ہیں۔ پہلی خمنی گروپ کی پہلی سورت یعنی سورۃ الملک منفرد تھی، جبکہ اس کے بعد کی دو سورتیں یعنی سورۃ القلم اور سورۃ الحاقة جوڑے کی شکل میں ہیں۔ ان دونوں سورتوں میں انباء الرسل کا پہلو زیادہ نمایاں ہے۔ سورۃ القلم اپنے گروپ کی تمام سورتوں میں اس اعتبار سے نمایاں ہے کہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے بالکل ابتدائی دور کی جھلک دھکائی دیتی ہے۔ اس حوالے سے اکثر مفسرین کا خیال ہے کہ سورۃ الحلق کی ابتدائی پانچ آیات کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی دوسری وحی اس سورت کی ابتدائی سات آیات پر مشتمل تھی۔ ذاتی طور پر مجھے بھی اس رائے سے اتفاق ہے۔ ان سات آیات میں اہل مکہ کے اُس رؤیمل کی جھلک صاف دھکائی دیتی ہے جس کا اظہار انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی وحی کی خبر پر کیا تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی مرتبہ لوگوں کو بتایا کہ میرے پاس اللہ رب العزت کی طرف سے فرشتہ وحی لے کر آیا ہے تو لوگوں کا پہلا تاثر یہی تھا کہ آپ پر کسی جن یا بدر وح کا اثر ہو گیا ہے۔ ان میں بیشتر لوگ اپنی اس رائے کا اظہار آپ سے ہمدردی کی بنان پر بھی کرتے تھے کہ دیکھیں یہ اچھے بھلے آدمی تھے، بیٹھے بٹھائے ان کے ساتھ یہ کیا معاملہ پیش آگیا ہے۔ البتہ کچھ لوگ یہی باتیں آپ کو تنگ کرنے کے لیے طنزیہ اور استہزا یہ انداز میں بھی کرتے تھے۔ ظاہر ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ صورت حال بہت تکلیف دہ تھی کہ آپ کی اپنی ہی برادری کے وہ لوگ جو کل تک آپ کے قدموں میں نگاہیں بچھاتے تھے اور آپ کو اپنی آنکھوں کا تارا سمجھتے تھے آج آپ کو دیوانہ اور ماہنامہ میثاق ————— (9) ————— دسمبر 2022ء

مجون کہہ رہے تھے۔ چنانچہ اس تکلیف دہ صورت حال میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دلجوئی کے لیے یہ آیات نازل فرمائی گئیں۔ اس سورت کا آغاز اکیلے حرف ”ن“ سے ہوتا ہے۔ سورہ ص اور سورہ ق کے بعد ایک حرف سے شروع ہونے والی یہ تیسری اور آخری سورت ہے۔

## آیات ایم ۳۴

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نَ وَالْقَلْمَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ ﴿١﴾ مَا أَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ ﴿٢﴾ وَ  
إِنَّ لَكَ لَا جُرًا غَيْرَ مَمْسُونٍ ﴿٣﴾ وَ إِنَّكَ لَعَلَى حُقْقِ عَظِيمٍ ﴿٤﴾  
فَسَتُبْصِرُ وَ يُبَصَّرُونَ ﴿٥﴾ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ  
بِمَنْ صَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَ هُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿٦﴾ فَلَا تُطِعِ  
الْكُفَّارِ بِيَنَ ﴿٧﴾ وَدُوَا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ ﴿٨﴾ وَ لَا تُطِعِ كُلَّ حَلَّافِ  
مَهِينٍ ﴿٩﴾ هَمَانِ مَشَاعِمَ بَنِيَمِ ﴿١٠﴾ مَنَاعَ لِلْخَيْرِ مُعْتَدِلَيْمِ ﴿١١﴾  
عُثْلٌ بَعْدَ ذَلِكَ زَنِيَمِ ﴿١٢﴾ أَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَ بَنِينَ ﴿١٣﴾ إِذَا تُشَلِّ  
عَلَيْهِ اِيْتَنَا قَالَ أَسَاطِيَمِ الْأَوَّلِينَ ﴿١٤﴾ سَنَسِمَةَ عَلَى الْحُرْطُومِ ﴿١٥﴾  
إِنَّا بَلَوْنَهُمْ كَمَا بَلَوْنَا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ إِذْ أَقْسَيْوَا لَيْصِرِ مُنَهَا  
مُصِحِّيَنَ ﴿١٦﴾ وَ لَا يَسْتَشْتُونَ ﴿١٧﴾ قَطَافَ عَلَيْهَا طَاِفَ مِنْ رَبِّكَ وَ  
هُمْ نَأِيُونَ ﴿١٨﴾ فَاصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ ﴿١٩﴾ فَتَنَادَوَا مُصِحِّيَنَ ﴿٢٠﴾ أَنْ  
اَغْدُوا عَلَى حَرْثِهِمْ إِنْ كُنْتُمْ صَرِيَّمِينَ ﴿٢١﴾ فَانْطَلَقُوا وَ هُمْ  
يَتَحَافَّتُونَ ﴿٢٢﴾ أَنْ لَا يَدْخُلُهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مَسْكِيَنَ ﴿٢٣﴾ وَ غَدُوا  
عَلَى حَرْدِ قِدِيرِيَّنَ ﴿٢٤﴾ فَلَمَّا رَأَوْهَا قَالُوا إِنَّا لَصَالُونَ ﴿٢٥﴾ بَلْ نَحْنُ  
مَحْرُومُونَ ﴿٢٦﴾ قَالَ أَوْسَطُهُمْ أَلَمْ أَقْلُ لَكُمْ لَوْ لَا تُسْبِحُونَ ﴿٢٧﴾ قَالُوا  
سُبْحَنَ رَبِّنَا إِنَّا كُنَّا ظَلِيمِينَ ﴿٢٨﴾ فَاقْبَلَ بَعْصُهُمْ عَلَى بَعْضِ  
يَتَلَاْؓمُونَ ﴿٢٩﴾ قَالُوا لِيَوْلَنَا إِنَّا كُنَّا طَغِيَّنَ ﴿٣٠﴾ عَسَى رَبُّنَا أَنْ

يُبَدِّلَنَا حَيْرًا مِّنْهَا إِنَّا إِلَى رَبِّنَا لَمْ يَغْبُونَ ﴿٦﴾ كَذَلِكَ الْعَذَابُ وَ  
الْعَذَابُ الْآخِرَةُ أَكْبَرُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ

**آیت:** ﴿نَّ وَالْقَلْمِ وَمَا يَسْطُرُونَ ﴿١﴾﴾ ”ن“ قلم ہے قلم کی اور جو کچھ یہ لکھتے ہیں۔“  
یعنی قلم بھی اور جو علی ذخیرہ قلم کے ذریعہ نوع انسانی کے ہاں اب تک وجود میں آیا ہے وہ  
بھی اس حقیقت پر گواہ ہے کہ:

**آیت:** ﴿مَا أَنْتَ بِنَعْمَةِ رَبِّكَ بَمَحْنُونٍ ﴿٢﴾﴾ ”آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے رب کے  
فضل و کرم سے مجنون نہیں ہیں۔“

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! جو لوگ آپ کو مجنون کہہ رہے ہیں وہ خود احمق ہیں جو یہ تک نہیں جانتے  
کہ مجنون کیسے ہوتے ہیں۔ کیا ان لوگوں کو آپ کی پاکیزہ اور اعلیٰ اخلاق کی حامل سیرت نظر نہیں  
آتی؟ کیا یہ لوگ واقعاً سمجھتے ہیں کہ مجنون لوگوں کی زندگی کا نقشہ بھی ایسا ہی ہوتا ہے؟ تو اے  
نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان لوگوں کی فضول اور لا یعنی باتوں سے رنجیدہ نہ ہوں۔

**آیت:** ﴿وَإِنَّكَ لَأَجْرَأَ غَيْرَ مُهْنُونٍ ﴿٣﴾﴾ ”اور یقیناً آپ کے لیے تو وہ اجر ہے  
جس کا سلسلہ کبھی منقطع نہیں ہوگا۔“

**آیت:** ﴿وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ﴿٤﴾﴾ ”اور آپ یقیناً اخلاق کے بلند ترین  
مرتبے پر فائز ہیں۔“

آپ اپنے اخلاق اور کردار کے بلند ترین معیار کے باعث پہلے سے ہی معارج انسانیت  
کے مقام پر فائز تھے جبکہ اب آپ معارج نبوت و رسالت کے سفر کا آغاز کر رہے ہیں۔

**آیت:** ﴿فَسَتُبَصِّرُ وَيُبَصِّرُونَ ﴿٥﴾﴾ ”تو عنقریب آپ بھی دیکھ لیں گے اور وہ بھی  
دیکھ لیں گے۔“

یہ بڑا پیارا اور ناصحانہ انداز ہے۔ جیسے کوئی بڑا کسی چھوٹے کو سمجھاتا ہے کہ آپ مخالفانہ  
باتوں پر آزادہ نہ ہوں، کچھ ہی دنوں کی بات ہے، اصل حقیقت بہت جلد کھل کر سامنے آجائے  
گی۔ پھر کسی کو کوئی شک و شبہ نہیں رہے گا:

**آیت:** ﴿يَأَيُّكُمُ الْمُفْتُونُ ﴿٦﴾﴾ ”کتم میں سے کون فتنے میں بتلا تھا!“

بہت جلد دنیا پر واضح ہو جائے گا کہ تم دونوں فرقیوں میں سے کون فتنے میں بنتا ہو گیا تھا کون را ہر است پر تھا۔ کیا محمد بن عبد اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو جنون کا عارضہ لاحق ہو گیا تھا (معاذ اللہ!) آپ کے خالقین جو شیعہ عصب میں پاگل ہو گئے تھے؟

**آیت:** ﴿إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ﴾ ”یقیناً آپ کا رب خوب جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹک گیا ہے“  
﴿وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ﴾ ”اور وہ ان کو بھی خوب جانتا ہے ہدایت یافتہ ہیں۔“

یہ وہ آیات تھیں جو اکثر مفسرین کے نزد یک دوسری وجہ میں نازل ہوئی تھیں۔ یہاں سے آگے نیا مضمون شروع ہو رہا ہے۔

**آیت:** ﴿فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِينَ﴾ ”تو (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم!) آپ ان جھٹلانے والوں کی باتوں پر دھیان نہ دیں۔“

**آیت:** ﴿وَذُو الْوُتُدِ هُنَّ فَيُدْهِنُونَ﴾ ”وہ تو چاہتے ہیں کہ آپ ذراً حصہ پڑیں تو وہ بھی ڈھیلے پڑ جائیں۔“

باطل کا تو وظیرہ ہے کہ پہلے وہ حق کو جھلانا ہے، پھر جب اس کے مقابلے میں کھڑے ہو مشکل نظر آتا ہے تو مذاہنت (compromise) پر اتر آتا ہے۔ لیکن حق کسی قسم کی مذاہنت کسی درمیانی راستے کو نہیں جانتا۔ بقول اقبال ۔

باطل دوئی پند ہے حق لا شریک ہے  
شرکت میانہ حق و باطل نہ کر قبول!

اگلی آیات میں نام لیے بغیر انتہائی سخت الفاظ میں ایک کردار کا ذکر ہوا ہے۔ کسی معتبر روایت سے تو ثابت نہیں لیکن زیادہ تر مفسرین کا خیال ہے کہ ان آیات کا مصدقہ ولید بن مغیرہ تھا:  
**آیت:** ﴿وَلَا تُطِعِ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ﴾ ”اور آپ مت مانیے کسی ایسے شخص کی بات جو بہت قسمیں کھانے والا انتہائی گھٹیا ہے۔“

ان دونوں خصوصیات کا آپس میں فطری تعلق ہے۔ اپنی شخصیت کے لئے پن کی تلا کرنے کے لیے بات بات پر قسمیں کھانا ہر گھٹیا آدمی کی ضرورت ہوتی ہے۔ لفظ ”مهین“ مابناء ميثاق (12) نومبر 2022ء

ذلیل و حقیر اور گھٹیا آدمی کے لیے بولا جاتا ہے۔

آیت ﴿هَمَّازٍ مَّشَاءٍ بِنَمِيمٍ﴾ (۱۱) ”زور زو طمع دیتا ہے، چغلیاں کھاتا پھرتا ہے۔“

آیت ﴿مَنَاعَ لِلْخَيْرِ مُعْتَدِلَ أَثْيِمٍ﴾ (۱۲) ”خیر سے روکنے والا حد سے بڑھنے والا گنہگار۔“

آیت ﴿عُتَّلٌ بَعْدَ ذَلِكَ زَنِيمٍ﴾ (۱۳) ”بالکل گتوار ہے، اس کے بعد یہ کہ بد حمل بھی ہے۔“

یعنی مذکورہ بالا حوصلتیں تو اس کی شخصیت میں ہیں ہی، سب سے بڑی بات یہ کہ وہ بے نسب بھی ہے۔

آیت ﴿أَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِينَ﴾ (۱۴) ”صرف اس گھمنڈ پر کہ وہ مال و دولت اور بیٹوں والا ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے ولید بن مغیرہ کو کثیر مال و دولت کے علاوہ بہت سے بیٹوں سے بھی نواز رکھا تھا۔ اور بیٹے بھی ایسے کہ ان میں سے ایک کو قبولِ اسلام کے بعد ”سَيِّفُ مِنْ سُيُّوفِ اللَّهِ“ کا مرتبہ ملا۔ یعنی حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ!

آیت ﴿إِذَا تُشْلِي عَلَيْهِ أَيْتَنَا قَالَ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ﴾ (۱۵) ”جب اسے ہماری آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ کہتا ہے کہ یہ تو پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔“

آیت ﴿سَنَسِيهٌ عَلَى الْحُرْثُومِ﴾ (۱۶) ”هم عنقریب اس کی سونڈ پر داغ لگائیں گے۔“

ممکن ہے اس کی ناک زیادہ لمبی اور نمایاں ہو۔ وہ خود بھی از راہِ تکبیر اپنے آپ کو بڑی ناک والا سمجھتا تھا، جس کے لیے حقارت کے طور پر سونڈ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور ناک پر داغ لگانے سے مراد تذلیل ہے۔

اب آئندہ آیات میں ایمان بالآخرت کے حوالے سے بہت عمدہ اور عام فہم تمثیل کے طور پر باغ والوں کا واقعہ بیان کیا جا رہا ہے۔

آیت ﴿إِنَّا بِأَنَّهُمْ كَمَا بَلَوْنَا أَصْحَبُ الْجَنَّةَ﴾ ”یقیناً ہم نے ان (اہلِ مکہ) کو اسی طرح آزمایا ہے جیسے ہم نے باغ والوں کو آزمایا تھا۔“

اللہ تعالیٰ لوگوں کو طرح طرح کے امتحانات سے آزماتا رہتا ہے۔ ایک انسان کو اگر دولت

کی آزمائش میں ڈالا جاتا ہے، تو کسی دوسرے کو غربت کے امتحان سے دوچار کر دیا جاتا ہے۔ سورہ الملک کی اس آیت میں تو انسان کی زندگی اور موت کی تخلیق کا مقصد ہی آزمائش بتایا گیا ہے: ﴿الَّذِي خَلَقَ الْهَوَّةَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُو كُمْ أَيْكُمْ أَحَسَنُ عَمَلاً وَهُوَ الْعَزِيزُ الْغَفُورُ﴾ (۲) ”اس نے موت اور زندگی کو اس لیے پیدا کیا ہے تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون اچھے اعمال کرنے والا ہے۔ اور وہ بہت زبردست بھی ہے اور بہت بخشش والا بھی۔“

﴿إِذْ أَقْسَمُوا لِيَضِيرُ مُنَاهًا مُصْبِحِينَ﴾ (۱۷) ”جبکہ انہوں نے قسم کھائی کہ وہ ضرور اس کا پھل اتار لیں گے صحیح سویرے۔“

**آیت ۱۸:** ﴿وَلَا يَسْتَثْنُونَ﴾ (۱۸) ”اور انہوں نے (اس پر) ان شاء اللہ بھی نہ کہا۔“  
باغ کے پھل پک کر تیار ہو چکے تھے۔ انہوں نے ایک رات پروگرام طے کر لیا کہ وہ صح سویرے جائیں گے اور سارا پھل اتار لائیں گے۔ گویا وہ اپنے اسباب و وسائل کے گھمنڈ میں مستبِ حقیقی کو بالکل ہی بھول گئے۔

**آیت ۱۹:** ﴿فَظَافَ عَلَيْهَا طَائِفٌ مِنْ رَّبِّكَ وَهُمْ نَّاَمُونَ﴾ (۱۹) ”پس ایک پھر نے والا پھر گیا اس (باغ) پر آپ کے رب کی طرف سے جبکہ وہ ابھی سوئے ہوئے ہی تھے۔“

**آیت ۲۰:** ﴿فَأَصْبَحَتْ كَالَّذِيْرِ يَمِّ﴾ (۲۰) ”تو وہ ایسے ہو گیا جیسے کٹی ہوئی فصل ہو۔“  
یعنی رات کو وہ باغ کسی بگولے کی زد میں آیا اور جل کر راکھ کا ڈھیر بن گیا۔

**آیت ۲۱:** ﴿فَتَنَادَوَا مُصْبِحِينَ﴾ (۲۱) ”اب صح ہی صح انہوں نے ایک دوسرے کو پکارا۔“

**آیت ۲۲:** ﴿أَنِ اَعْدُوَا عَلَى حَرْثِكُمْ إِنْ كُنْتُمْ ضَرِّيْمِينَ﴾ (۲۲) ”کم صح سویرے چلو اپنے کھیت کی طرف اگر تم پھل توڑنا چاہتے ہو۔“

وہ صح سویرے اپنے طے شدہ پروگرام کے مطابق پھل توڑنے کی تیاریاں کر رہے تھے جبکہ ان کا باغ رات کو جل کرتباہ ہو چکا تھا۔ اسی طرح انسان اپنی دھن میں مگن طرح طرح کے منصوبے بناتا رہتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کے ایک فیصلے کے سامنے اس کے سارے منصوبے دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان کو کوئی جان لیوا مرض لاحق ہو چکا ہوتا ہے، مگر وہ اس سے بخبر اپنی لمبی لمبی امیدوں کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے رات دن ایک کیے ماہنامہ میثاق (14) ڈسمبر 2022ء

رہتا ہے۔ پھر جب مرض کی تشخیص ہوتی ہے تب بہت دیر ہو چکی ہوتی ہے۔

**آیت ۷** ﴿فَانْطَلِقُوا وَهُمْ يَتَخَافَّوْنَ﴾<sup>(۲۳)</sup> ”چنانچہ وہ چلے اور آپس میں چکپے یہ باتیں کرتے جا رہے تھے۔“

**آیت ۸** ﴿أَنْ لَا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مَسْكِينُونَ﴾<sup>(۲۴)</sup> ”کہ دیکھو آج کوئی مسکین تمہارے پاس باغ میں ہرگز داخل نہ ہونے پائے۔“

درactual انہوں نے پھل اتارنے کے لیے منہ اندھیرے جانے کا پروگرام بنایا ہی اس لیے تھا تاکہ ایسے موقع پر آ جانے والے غرباء و مساکین کو چکمہ دے سکیں۔ ان کا کہنا تھا کہ باغ پر سارا سال محنت ہم نے کی ہے، اس کی حفاظت کی ہے، اب پھل اتارنے کے موقع پر ہم اس میں سے غرباء و مساکین کو کس لیے دیں؟ وہ ہمارے کیا لگتے ہیں؟ یہ تھا ان کا اصل جرم جس کی انہیں سزا ملی۔ انسان کے کردار میں ایسی پستی آ خرت پر یقین نہ ہونے کی وجہ سے آتی ہے۔

**آیت ۹** ﴿وَغَدَوَا عَلَى حَرْدٍ قَدِيرِينَ﴾<sup>(۲۵)</sup> ”اور وہ صح سویرے چلے جلدی جلدی (یہ سمجھتے ہوئے) کہ وہ اس ارادہ پر پوری طرح قادر ہیں۔“

یہ آیت لفظی تصویر کشی کی بہترین مثال ہے۔ اس وقت ان لوگوں کی جوڑ ہنی، نفسیاتی اور ظاہری کیفیت تھی ان الفاظ میں اس کی ہو بہو تصویر کھینچ کر رکھ دی گئی ہے۔ انہیں زعم تھا کہ انہوں نے بڑی کامیاب منصوبہ بندی کی ہے، ابھی تھوڑی ہی دیر میں وہ پھل اتار کر لے جائیں گے اور بھیک منگوں کو کافیوں کا ان بخوبیں ہوگی۔ [حَرْد کا معنی قصد اور ارادہ ہے۔ یعنی انہوں نے جو یہ ارادہ کیا تھا کہ آج کسی غریب کو باغ میں داخل نہیں ہونے دیں گے اور صح سویرے باغ کا پھل اتار لیں گے وہ خیال کر رہے تھے کہ ہم اس ارادے کو عملی جامد پہنانے کی قدرت رکھتے ہیں۔]

**آیت ۱۰** ﴿فَلَمَّا رَأَوْهَا قَالُوا إِنَّا لَضَالُّونَ﴾<sup>(۲۶)</sup> ”پھر جب انہوں نے اس (باغ) کو دیکھا تو کہنے لگے کہ ہم تو کہیں بھٹک کر گئے ہیں۔“

فوری طور پر وہ بھی سمجھے کہ وہ اندھیرے میں راستہ بھول کر کسی اور جگہ آگئے ہیں اور یہ ان کا باغ نہیں ہے۔ پھر جب انہیں اصل صورت حال کا دراک ہوا تو کہنے لگے:

**آیت ۱۱** ﴿بَلْ نَحْنُ هَمْرُومُونَ﴾<sup>(۲۷)</sup> ””نہیں نہیں (باغ تو یہی ہے) بلکہ ہم تو محروم ہو گئے ہیں۔“

ہماری توصیت ہی پھوٹ گئی ہے۔

**آیت ۲۶** ﴿قَالَ أَوْسَطُهُمْ أَلَمْ أَقْلَنْ لَكُمْ لَوْلَا تُسْبِّحُونَ﴾ (۲۶) ”ان کے درمیان والے نے کہا: میں تمہیں کہتا تھا کہ تم (اپنے رب کی) تسبیح کیوں نہیں کرتے؟“ یہ انہی کے کسی نیک فطرت بھائی کا ذکر ہے جو گاہے بگاہے انہیں روکتا ٹوکتا تھا اور انہیں یاد دہانی کراتا تھا کہ تم اللہ کو بھولے ہوئے ہو اور اللہ اور اُس کے بندوں کے حقوق ادا کرنے سے پہلو تھی کرتے ہو۔

**آیت ۲۷** ﴿قَالُوا سُبْحَنَ رَبِّنَا إِنَّا كُنَّا ظَلَمِيْنَ﴾ (۲۷) ”انہوں نے کہا: (واقعی تم ٹھیک کہتے ہو) ہمارا رب پاک ہے بے شک ہم ہی ظالم تھے۔“

**آیت ۲۸** ﴿فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَلَاقَوْمُونَ﴾ (۲۸) ”پھر وہ آپس میں ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے۔“

اب وہ اپنی گمراہی اور شومی قسمت کی ذمہ داری آپس میں ایک دوسرے کے سر تھوپنے لگے۔

**آیت ۲۹** ﴿قَالُوا يُوَيْلَنَا إِنَّا كُنَّا طَغِيْنَ﴾ (۲۹) ”(بالآخر اعتراف کرتے ہوئے) وہ کہنے لگے: ہائے ہماری بدجنتی! اصل میں ہم سب ہی اپنی حدود سے تجاوز کرنے والے تھے۔“

**آیت ۳۰** ﴿عَنِي رَبُّنَا أَنْ يُبَدِّلَنَا خَيْرًا مِنْهَا إِنَّا إِلَى رَبِّنَا رَغْبُونَ﴾ (۳۰) ”امید ہے ہمارا رب ہمیں اس سے بہتر عطا کر دے گا، اب ہم اپنے رب کی طرف رجوع کرتے ہیں۔“

اب ہم نے توبہ کر لی ہے۔ اب ہم اپنی روشن تبدیل کر لیں گے اور آئندہ باقاعدگی سے اللہ تعالیٰ کے تمام حقوق ادا کیا کریں گے۔ ہمیں امید ہے ہمارا رب ہمارے گناہوں کو معاف کرتے ہوئے ہمارے نقصان کی بھی تلافی کر دے گا اور اگلے سال ہمارا باغ اس سے بہتر پیداوار دے گا۔ رَغْبَ جب الی کے صلے کے ساتھ آتا ہے تو اس کے معنی کسی کی طرف رغبت کرنے کے ہوتے ہیں، لیکن جب یہی لفظ عَنْ کے صلے کے ساتھ آئے تو بالکل متقاضاً معنی دیتا ہے۔ چنانچہ رَغْبَ عَنْ کے معنی ہوں گے: زخ پھیر لینا اور پہلو تھی کرنا۔ جیسا کہ سورہ البقرۃ کی

آیت ۱۳ میں آیا ہے: «وَمَنْ يَرْغُبُ عَنِ الْقِلَّةِ إِنْ هُمْ إِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهُ ط» اور کون ہوگا جو ابراہیم کے طریقے سے منہ موڑے؟ سوائے اُس کے جس نے اپنے آپ کو حماقت ہی میں بیٹلا کرنے کا فیصلہ کر لیا ہوا!“

اب اگلی آیت میں گویا اس تنبیل یا واقعہ کا اخلاقی سبق (moral lesson) بیان ہوا ہے:  
**آیت ۱۴** ﴿كَذَلِكَ الْعَذَابُ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ﴾ ”اسی طرح آتا ہے عذاب! اور آخرت کا عذاب تو یقیناً بہت ہی بڑا ہے۔“

اس واقعے میں تو دنیا کے عذاب کا ذکر ہے، لیکن یاد رکھو، دنیا کے عذاب تو نسبتاً چھوٹے اور وقت ہوتے ہیں اور تو بہ کرنے پر ٹھیک بھی جاتے ہیں۔ مثلاً ایک سال اگر کچھی پکائی فصل بر باد ہو گئی تو اللہ کی طرف رجوع کرنے سے ہو سکتا ہے اگلے سال اس کی تلافی ہو جائے، لیکن آخرت کا معاملہ یکسر مختلف ہے۔ آخرت کا عذاب بہت بڑا ہو گا اور اس وقت پہنچنے کا راستہ اور تو بہ کا دروازہ بھی بند ہو چکا ہو گا۔

﴿لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ﴾ ”کاش کہ یہ لوگ (اس حقیقت کو) جانتے!“

## آیات ۳۲ تا ۵۲

إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنْتِ النَّعِيمِ ۝ أَفَلَمْ يَرَوْا مَا فِي السَّمَاوَاتِ  
 كَالْبَرْجُرِ وَمِنْ ۝ مَالَكُمْ ۝ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ۝ أَمْ لَكُمْ كِتَابٌ فِيهِ  
 تَدْرِسُونَ ۝ إِنَّ لَكُمْ فِيهِ لَمَّا تَحْكِمُونَ ۝ أَمْ لَكُمْ آيَاتٌ  
 عَلَيْنَا بِالْعَهْدِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ ۝ إِنَّ لَكُمْ لَمَّا تَحْكِمُونَ ۝ سَلَّمُ  
 أَيُّهُمْ بِذَلِكَ رَاعِيمٌ ۝ أَمْ لَهُمْ شَرٌّ كَاءِعٌ فَلَيَأْتُوَا شَرٌّ كَاءِعٌ إِنْ  
 كَانُوا صَدِيقِينَ ۝ يَوْمَ يُكَشَّفُ عَنْ سَاقٍ وَّ يُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ  
 فَلَا يَسْتَطِيعُونَ ۝ خَائِشَةً أَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذَلَّةٌ وَ قَدْ كَانُوا  
 يُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ وَهُمْ سَلِيمُونَ ۝ فَذَرُوهُنَّ وَمَنْ يُكَذِّبُ بِهَذَا  
 الْحَدِيثَ ۝ سَنَسْتَدِيرُ جُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ۝ وَ أَمْلِنَ  
 لَهُمْ ۝ إِنَّ كَيْدَنِي مَتَّيِّنَ ۝ أَمْ تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا فَهُمْ مِنْ مَعْرِمٍ

**مُنْقَوْنَ ۝ أَمْ عِنْدَهُمْ الْغَيْبُ فَهُمْ يُكْتُبُونَ ۝ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَ لَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ ۝ إِذْ نَادَى وَ هُوَ مَكْظُومٌ ۝ لَوْ لَا آنَ شَلَارَكَةُ نِعْمَةٌ مِنْ رَبِّهِ لَئِنَّهُ بِالْعَرَاءِ وَ هُوَ مَذْمُومٌ ۝ فَاجْتَبَيْهِ رَبُّهُ فَجَعَلَهُ مِنَ الصَّلِحِينَ ۝ وَ إِنْ يَكُنْ الَّذِينَ كَفَرُوا لَيُزَلِّقُونَكَ بِأَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا النُّكْرَ وَ يَقُولُونَ إِنَّهُ لَمَجُونٌ ۝ وَ مَا هُوَ إِلَّا ذُكْرٌ لِلْعَلَيْنَ ۝**

**آیت ۲۷) «إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنْتِ النَّعِيمِ ۝»** ”متقین کے لیے یقیناً ان کے رب کے پاس نعمت والے باغات ہیں۔“

**آیت ۲۸) «أَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِينَ كَالْمُجْرِمِينَ ۝»** ”کیا ہم اپنے فرمانبرداروں کو مجرموں کے برابر کر دیں گے؟“

اگر بعث بعد الموت کے منکرین کی منطق درست تسلیم کر لی جائے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ نیکوکار اور مجرمین میں سرے سے کوئی فرق ہی نہیں ہے۔ طبعی طور پر تو موت بلاشبہ سب کو برابر کر دیتی ہے، جیسا کہ مشہور انگریزی نظم Death the Leveller میں بتایا گیا ہے۔ یعنی کوئی با دشہا ہو، کوئی فقیر ہو، کوئی شریف ہو، کوئی مجرم ہو، مرناس بھی کو ہے۔ اس اعتبار سے تو یقیناً موت کے سامنے سب انسان برابر ہیں، لیکن یہ سمجھنا کہ موت آنے پر اخلاقی لحاظ سے بھی سب انسان برابر ہو جائیں گے انتہائی غیر منطقی اور احتمانہ سوچ ہے۔

**آیت ۲۹) «مَا لَكُمْ ۝ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ۝»** ”تمہیں کیا ہو گیا ہے، تم کیسے حکم لگاتے ہو؟“

کیا تمہاری مت ماری گئی ہے جو ایسی رائے بناتے ہو؟ کیا اللہ کے ہاں ایسا ہی اندر ہیر چاہو ہا ہے کہ وہاں مسلمین اور مجرمین برابر ہو جائیں گے؟ کیا دنیا میں کہیں ایسا ہوتا ہے کہ کوئی حکومت اپنے باغیوں اور اپنے وفاداروں کو ایک ہی صرف میں کھڑا کر دے؟

**آیت ۳۰) «أَمْ لَكُمْ كِتَبٌ فِيهِ تَدْرُسُونَ ۝»** ”کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے جس میں تم یہ پڑھتے ہو؟“

**آیت ۲۷** ﴿إِنَّ لَكُمْ فِيهِ لَمَّا تَخَيَّرُونَ ۝﴾ ”کہ اس (آخرت) میں تمہیں وہ سب کچھ مل جائے گا جو تم پسند کرو گے!“

**آیت ۲۸** ﴿أَمْ لَكُمْ أَيْمَانٌ عَلَيْنَا بِالْغَةٍ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ﴾ ﴿إِنَّ لَكُمْ لَمَّا تَخَيَّرُونَ ۝﴾ ”کیا تم نے ہم سے کوئی قسم لے رکھی ہے جو باقی رہنے والی ہو قیامت کے دن تک کہ تمہارے لیے وہی کچھ ہو گا جو تم فیصلہ کرو گے؟“

**آیت ۲۹** ﴿سَلْهُمْ أَيُّهُمْ بِذِلِّكَ زَعِيمٌ ۝﴾ ”(اے نبی ﷺ! ذرا ان سے پوچھئے کہ ان میں سے کون ہے جو اس کا ضامن ہو؟“

**آیت ۳۰** ﴿أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءٌ﴾ ”کیا ان کے کوئی شریک ہیں؟“  
**﴿فَلَيَأْتُوا بِشَرَكَائِهِمْ إِنْ كَانُوا صَدِيقِينَ ۝﴾** ”تو لاکیں یہ اپنے شریکوں کو اگر یہ پتے ہیں!“

**آیت ۳۱** ﴿يَوْمَ يُكْشَفُ عَنِ سَاقٍ﴾ ”جس دن پنڈلی کھولی جائے گی“ پنڈلی کھولے جانے کا مفہوم ہمارے تصور سے ماوراء ہے۔ ممکن ہے یہ اللہ تعالیٰ کی کسی خاص چیز کا ذکر ہو جس کا ظہور میدانِ محشر کے کسی مرحلے پر لوگوں کی چھانٹی کرنے کے لیے ہونا ہو۔ واللہ اعلم! اس اعتبار سے یہ آیت آیاتِ تقابلیات میں سے ہے۔<sup>(۱)</sup>

**﴿وَيُدَعُونَ إِلَى السُّجُودِ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ ۝﴾** ”اور انہیں پکارا جائے گا (اللہ کے حضور) سجدے کے لیے تو وہ کرنہیں سکیں گے۔“

جیسا کہ قبل از میں سورۃ الحمد کی آیت ۱۱ کے تحت بھی ذکر ہو چکا ہے، میدانِ حرث میں اچھے اور بے لوگوں کو الگ الگ کرنے کے لیے بنی نوع انسان کو مختلف مراحل میں سے گزارا جائے گا۔ ”پنڈلی کا ظہور“ بھی ایسا ہی کوئی مرحلہ ہو گا۔ وہ صاحبِ ایمان لوگ جو اپنی دُنیوی زندگی میں

۱۔ عربی محاورے کے مطابق سخت وقت آپنے کو بھی کشفِ ساق سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ مثلاً گھمسان کی بڑائی شروع ہونے پر کہا جاتا ہے: شَمَرَتِ الْحُرُوبُ عَنْ سَاقِهَا کہ جنگ نے اپنی پنڈلی سے تبینداً پر اٹھا لیا۔ بعض مفسرین نے کشفِ ساق سے مراد حقائق سے پرداہ اٹھانا بھی لیا ہے۔ یعنی جس روز تمام حقائقیں بے نقاب ہو جائیں گی اور لوگوں کے اعمال کھل کر سامنے آ جائیں گے۔ (حاشیہ از مرتب)

نماز کی پابندی کرتے رہے تھے اس تجھی کو دیکھتے ہی سجدے میں گرجائیں گے، لیکن وہ لوگ جن کی گرد نہیں اکثری رہتی تھیں اور جو نماز کی پابندی کا اہتمام نہیں کرتے تھے وہ اپنی تمام تر کوشش کے باوجود اُس وقت سجدہ نہیں کر سکتیں گے۔ گویا اس مرحلے پر ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے سامنے بھجنے والے لوگوں سے الگ کر لیا جائے گا۔

**آیت ۲۷) (خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ)** ”ان کی نگاہیں زمین پر گڑی رہ جائیں گی“

**﴿تَرَهْقُهُمْ ذَلَّةٌ﴾** ”ان (کے چہروں) پر ذلت چھار ہی ہوگی۔“

**﴿وَقَدْ كَانُوا يُدْعَونَ إِلَى السُّجُودِ وَهُمْ سَلِيمُونَ ۝﴾** ”اور ان کو (دنیا

میں) پکارا جاتا تھا سجدے کے لیے جبکہ یہ صحیح سالم تھے۔“

دنیا میں وہ لوگ اذان کی آواز پر کبھی تو جو ہی نہیں کرتے تھے اور کوئی مجبوری و معدودی نہ ہونے کے باوجود بھی اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز نہیں ہوتے تھے۔ قیامت کے دن میدان حشر میں وہ سجدہ کرنا چاہیں گے لیکن نہیں کر سکتیں گے۔

**آیت ۲۸) (فَنَذَرْنِي وَمَنْ يُكَذِّبْ يَهْذِلُهُ الْحَدِيبِ ۚ)** ”تو (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم!)“

آپ چھوڑ دیجیے مجھے اور ان لوگوں کو جو اس کلام کی تکذیب کر رہے ہیں۔“

جیسا کہ قبل از یہی ذکر ہو چکا ہے اس گروپ کی سورتوں میں یہ یکلہ (ذُرْنِي، فَنَذَرْنِي) اور یہ اسلوب بہت تکرار کے ساتھ آیا ہے۔ اس میں ایک طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دلبوحی کا پہلو ہے تو دوسری طرف آپ کے خلقین کے لیے بہت بڑی وعید ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان لوگوں کی باتوں سے رنجیدہ نہ ہوں، ان کا معاملہ آپ مجھ پر چھوڑ دیجیے، ان سے میں خود ہی نہٹ لوں گا۔

**﴿سَنَسْتَدِرُ جُهُمْ قَمْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ۝﴾** ”ہم انہیں رفتہ رفتہ وہاں

سے لے آئیں گے جہاں سے انہیں علم تک نہیں ہو گا۔“

علماء کے ہاں ”استدرج“ کا لفظ بطور اصطلاح استعمال ہوتا ہے۔ اس سے مراد ایسا عذاب ہے جو اللہ تعالیٰ کی ڈھیل سے ناجائز فائدہ اٹھانے کے باعث کسی قوم یا کسی فرد پر درجہ بد رجہ (درجہ تدریجی) اور استدرج کا مادہ ایک ہی ہے) مسلط ہو۔ مثلاً اگر کوئی شخص اپنی ہٹ دھرمی کی وجہ سے غلط راستے پر جا رہا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے کچھ دیر کے لیے ڈھیل دیتا ہے، بلکہ بعض اوقات اس راستے پر اسے طرح طرح کی کامیابیوں سے بھی نوازتا ہے تاکہ اس کے اندر کی خباشت پوری میثاق

طرح سے ظاہر ہو جائے۔ جب وہ شخص اپنی روشن کو کامیاب دیکھتا ہے تو سرکشی میں مزید دیدہ دلیری دکھاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی مہلت کا وقت پورا ہو جاتا ہے اور پھر اچانک اسے عذاب کے شکنخ میں کس لیا جاتا ہے۔

استدرج کی مثال کائنے کے ذریعے مجھلی کے شکار کی سی ہے۔ شکاری جب دیکھتا ہے کہ مجھلی نے کائناتگل لیا ہے تو وہ ڈور کوڈھیلا چھوڑ دیتا ہے اور پھر جب چاہتا ہے ڈور کھینچ کر اسے قابو کر لیتا ہے۔ لفظ استدرج کی وضاحت کرتے ہوئے یہاں مجھے مولانا حسین احمد مدینی رحمۃ اللہ علیہ کا وہ قول یاد آ گیا ہے جس میں انہوں نے قیامِ پاکستان کے بارے میں کہا تھا کہ یہ استدرج بھی ہو سکتا ہے۔ مولانا صاحب رمضان ہمیشہ سلہٹ میں گزارتے تھے ۱۹۳۶ء کے رمضان میں انہوں نے کہہ دیا تھا کہ ملائیل میں پاکستان کے قیام کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ اس کے ٹھیک ایک سال بعد اگلے رمضان (لیلۃ القدر) میں پاکستان کا قیام واقعہ عمل میں آ گیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مولانا مدینی کو بذریعہ کشف قیامِ پاکستان کے بارے میں جس فیصلے کا علم ہوا تھا، ملائیل میں وہ فیصلہ ۱۹۳۶ء کی لیلۃ القدر میں اس اصول کے تحت ہوا تھا جس کا ذکر سورۃ الدخان کی آیت ۲ میں آیا ہے۔ اس آیت میں لیلۃ القدر (لَیلَةُ مُبَارَكَةٍ) کے بارے میں فرمایا گیا ہے: ﴿فَیَهَا یُفْرُقُ كُلُّ أَمْرٍ حَکِيمٌ﴾ کہ اس رات میں (آئندہ سال کے دورانِ رونما ہونے والے) تمام اہم امور کے فیصلے کر دیے جاتے ہیں۔

مولانا صاحب نظریاتی طور پر قیامِ پاکستان کے مخالف تھے۔ ان کے اس انکشاف کے بعد ان کے عقیدت مندوں نے بجا طور پر ان سے پوچھا کہ اس فیصلے کا علم ہو جانے کے باوجود بھی آپ قیامِ پاکستان کی مخالفت کیوں کر رہے ہیں؟ اس پر مولانا صاحب نے جواب دیا تھا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا تکوینی (کائنات کی سلطنت کا انتظامی) فیصلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اس سے کیا مظہور ہے، اس کا ہمیں علم نہیں۔ ہمیں چیزوں کے ظاہر اور سامنے نظر آنے والے حالات کو دیکھنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو دیکھنے سننے، سمجھنے وغیرہ کی صلاحیتیں اسی لیے دی ہیں کہ وہ ان صلاحیتوں سے کام لیتے ہوئے فیصلے کرے۔ چنانچہ اس معااملے میں ہمیں وہی موقف اپنانا چاہیے جس میں ہمیں مسلمانان بر صغیر کی بہتری نظر آتی ہو۔ ظاہر ہے اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ اپنی حکمت اور مشیت کے مطابق کیا ہے۔ یہ بھی تو ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ فیصلہ ”استدرج“ کی غرض سے کیا گیا ہو۔ یعنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس خطے کے مسلمانوں کو ڈھیل دے کر

انہیں عذاب میں بنتا کرنا چاہتا ہو۔

قیامِ پاکستان کے بعد کے حالات کو دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ مولانا مدنی کا خدشہ کافی حد تک درست ہا۔ اب پاکستان پر عذاب کا ایک کوڑا تو ۱۹۴۷ء میں بر ساتھ۔ اس کے بعد بھی ملک کی مجموعی صورتِ حال کبھی تسلی بخش نہیں رہی بلکہ پاکستان کے موجودہ حالات کو دیکھ کر تو یوں لگتا ہے کہ اب ایک فیصلہ کن عذاب ہمارے سر پر آیا کھڑا ہے۔ لیکن میری رائے میں اس کا سبب ”قیامِ پاکستان نہیں“ بلکہ بحیثیت قوم ہمارا وہ مجموعی طرزِ عمل ہے جو قیامِ پاکستان کے بعد ہم نے نظامِ اسلام کے حوالے سے اختیار کیا ہے۔

**آیت ۶) ﴿وَأُمْلِي لَهُمْ ط﴾ ”اور میں ان کو دھیل دے رہا ہوں۔“**

﴿إِنَّ كَيْدِي مَتَّبِعُونَ﴾ ”بے شک میری تدبیر بہت مضبوط ہے۔“

**آیت ۷) ﴿أَمْ تَسْئَلُهُمْ أَجْرًا فَهُمْ مِنْ مَغْرِمٍ مُّشَقَّلُونَ﴾ ”(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم!) کیا آپ ان سے کوئی اجرت مانگتے ہیں جس کے توان کے بوجھ تلتے یہ دبے جا رہے ہیں؟“**

ان لوگوں تک اللہ کا پیغام پہنچانے کے لیے آپ سالہا سال سے دن رات محنت کر رہے ہیں۔ اپنی اس محنت کے عوض جب آپ ان سے کسی معاوضے یا اجرت کے طلب گار بھی نہیں ہیں تو یوں آخر کس لیے پریشان ہیں؟

**آیت ۸) ﴿أَمْ عِنْدُهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكُنُّ تُبُونَ﴾ ”یا ان کے پاس غیب کا علم ہے جسے یہ لکھ رہے ہیں؟“**

یہ دونوں آیات (۳۶، ۳۷) جوں کی توسیعۃ الطور میں (آیات ۳۰ اور ۳۱ کے طور پر) بھی آچکی ہیں۔

**آیت ۹) ﴿فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ﴾ ”تو (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم!) آپ انتظار کیجیے اپنے رب کے حکم کا۔“**

**﴿وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ م﴾ ”اور دیکھئے آپ اس مچھلی والے کی طرح نہ ہو جائیے گا!“**

”مچھلی والے“ سے یہاں حضرت یونس علیہ السلام مراد ہیں۔ آپ کی قوم پر جب عذاب کا فیصلہ

ہو گیا تو آپ اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار کیے بغیر ہی اپنی قوم کا علاقہ چھوڑ کر چلے گئے۔ اس کا ذکر سورۃ الانبیاء کی آیت ۷۸ میں اس طرح آیا ہے: «إِذْ دَهَبَ مُغَاضِبًا» ”جب وہ چل دیا غصے میں بھرا ہوا“۔ آپ کا یہ غصہ حمیت حق میں تھا اور قوم کی طرف سے مسلسل ہٹ دھری اور کفر کی وجہ سے تھا۔ لیکن اس میں خطا کا پہلو یہ تھا کہ آپ نے ہجرت کرنے سے متعلق اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار نہ کیا۔

**﴿إِذْ نَادَى وَهُوَ مَكْظُومٌ﴾** ”جب اُس نے پکارا (اپنے رب کو) اور وہ اپنے غم کو اندر پی رہا تھا۔“

حضرت یونس ﷺ مچھلی کے پیٹ میں انتہائی رنجیدہ حالت میں اللہ تعالیٰ سے فریاد کر رہے تھے: **﴿لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَنَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ﴾** (الانبیاء) ”تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پاک ہے اور یقیناً میں ہی ظالموں میں سے ہوں۔“

**آیت ۴۶** **﴿لَوْلَا أَنْ تَدْرَكَهُ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهِ لَتُبَيِّنَ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ مَذْمُومٌ﴾** ”اگر اُس کی دست گیری نہ کرتا اُس کے رب کا ایک انعام (اور احسان) تو وہ ملامت زدہ ہو کر پھینک دیا جاتا کسی چیل ز میں پر۔“

حضرت یونس ﷺ قدیم عراق کے شہر نینوا میں بعوث ہوئے تھے۔ یہ شہر بعدک کے شمال میں واقع تھا۔ دریائے فرات اور دریائے دجلہ اس علاقہ سے گزرتے ہوئے خلیج فارس میں آکر گرتے ہیں۔ آج کل تو یہ دونوں دریا سکر کر چھوٹی چھوٹی ندیوں میں تبدیل ہو گئے ہیں، لیکن پرانے زمانے میں تو ظاہر ہے یہ بہت بڑے بڑے دریا ہوں گے۔ حضرت یونس ﷺ نینوا شہر سے نکل کر ان میں سے کسی دریا کو پار کرنے کے لیے کشتنی میں سوار ہوئے۔ کشتنی میں آپ کے ساتھ وہ واقعہ پیش آیا جس کا ذکر اشارتاً سورۃ الصُّفَّۃ کی آیت ۱۳۱ میں آیا ہے۔ اس کے نتیجے میں آپ کوکسی وہیل مچھلی نے نکل لیا۔ وہ مچھلی خلیج فارس سے ہوتی ہوئی مکران کے ساحل پر پہنچی اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس ساحل کے کسی مقام پر اس نے آپ کو نکل دیا۔ اُس وقت آپ کی حالت بہت خراب تھی۔ اس موقع پر آپ کو سایہ اور غذا اور غیرہ فراہم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ’یقطین‘ کا وہ پودا گایا جس کا ذکر سورۃ الصُّفَّۃ آیت ۱۳۲ میں آیا ہے۔ آیت زیر مطالعہ میں اسی پودے کی طرف اشارہ ہے جو اُس وقت آپ کے لیے واقعی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑی نعمت

ثابت ہوا۔ یقظین کے بارے میں مزید تفصیل جانے کے لیے ملاحظہ ہو سورة الصافہ، آیت ۱۳۶ کی تشریح۔

**آیت ۱۷:** ﴿فَاجْتَبَيْهُ رَبُّهُ فَجَعَلَهُ مِنَ الْمُصْلِحِينَ ⑤﴾ ”تو اُس کے رب نے اُس کو چون لیا اور اسے پھر صالحین میں سے کر دیا۔“

حضرت یوسف علیہ السلام کے ذکر کے حوالے سے یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک فرمان بھی سن لیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ((لَا تُفْصِّلُونِي عَلَى يُؤْسَنَ بِنْ مَتْهِ))<sup>(۲)</sup> ”کہ مجھے یوسف بن متنی پر بھی فضیلت نہ دو۔“ اس میں ان لوگوں کے لیے تنبیہ ہے جو اپنا جوش خطابت اور زور قلم دوسرے انبیاء کرام پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت ثابت کرنے میں صرف کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بلاشبہ پوری نوع انسانی سے افضل اور سید الانبیاء والمرسلین ہیں۔ لیکن ع ” حاجت مشاطنیست روئے دل آرام را۔“ آج پوری دنیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کی قائل ہے۔ اس حقیقت کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو گا کہ آج ایک عیسائی دانشور مائنکل ہارت اپنی کتاب

”میں یہ لکھنے پر مجبور ہے: The 100“

*“My choice of Muhammad to lead the list of the world's most influential persons may surprise some readers and may be questioned by others, but he was the only man in history who was supremely successful on both the religious and secular levels.”*

”حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دنیا کی بااثر ترین شخصیات میں سرفراست رکھنے کے میرے اس فیصلے پر کچھ قارئین کو حیرت ہو گی اور بعض اس پر سوال بھی اٹھائیں گے، لیکن پوری انسانی تاریخ میں صرف اور صرف آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی واحد شخص ہیں جو مذہبی اور سیکولر دونوں مخاذوں پر پوری طرح کامیاب رہے۔“

**آیت ۱۸:** ﴿وَإِنْ يَكُادُ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُزِلُّوْنَكَ بِأَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الدِّرْكُر﴾ ”اور یہ کافر تو تلے ہوئے ہیں اس پر کہ اپنی نگاہوں کے زور سے آپ کو پھسلا دیں گے جب وہ قرآن سنتے ہیں۔“

مشرکین مکہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت ارادی کو توڑنے کے لیے ہر ممکن طریقہ آزمایا اور

۲۔ تحریج الكشاف للزیلیعی: ۱/۲۶۲ (غیر جدا)

اس مقصد کے لیے آپ کے خلاف ہر حرہ استعمال کیا۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ ایک مرحلے پر انہوں نے اس مقصد کے لیے ایسے عاملوں کی خدمات بھی حاصل کیں جو اپنی نگاہوں کی خصوصی طاقت کے ذریعے کسی کو نقصان پہنچانے کی الہیت رکھتے تھے۔ شاید طبعی طور پر ایسا ممکن ہو۔ ہو سکتا ہے کوئی شخص خصوصی مشقوں (exercises) کے ذریعے اپنی آنکھوں میں اپنی قوتِ ارادی کو اس انداز میں مجتمع کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہو کہ اس کے بعد جب وہ کسی دوسرے شخص کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھئے تو وہ اس کی نظروں کی تاب نہ لاسکے۔ بہر حال اس آیت میں مشرکین مکہ کے ایسے ہی او پچھے ہتھکنڈوں کا ذکر ہے۔

**﴿وَيَقُولُونَ إِنَّهُ لَمَجْنُونٌ﴾** (۵) ”اور کہتے ہیں کہ یہ تو دیوانہ ہے۔“

سورت کے آغاز اور اختتام کا باہمی ربط نوٹ بکھیے۔ جس مضمون سے سورت کا آغاز ہوا تھا اسی پر اس کا اختتام ہو رہا ہے۔ گفار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مجذون کہتے تھے۔ ان کے اس الزام کی تردید سورت کے ابتداء میں بھی کی گئی اور آخر میں بھی۔ پھر یہاں یہ نکتہ بھی سمجھ میں آ جاتا ہے کہ اس سورت کے آغاز میں حرف ن کیوں آیا ہے۔ دراصل ”ن“ کے معنی ”چھلی“ کے پیش، جیسا کہ سورۃ الانبیاء کی آیت ۷۸ میں حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر ذُوالنُون (چھلی والے) کے لقب سے کیا گیا ہے۔ چنانچہ حرف ن کا معنوی ربط سورت کی ان اختتامی آیات کے ساتھ ہے جن میں صاحب الحوت (حضرت یونس) کا ذکر آیا ہے۔

**آیت ۷۹: ﴿وَمَا هُوَ إِلَّا ذُكْرٌ لِّلْعَلَمِينَ﴾** (۶) ”او نہیں ہے وہ، مگر ایک یاد دہانی تمام جہان والوں کے لیے۔“

یہاں پر ہو کی ضمیر قرآن کے لیے بھی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی۔ قرآن مجید کے ذکر (یاد دہانی اور نصیحت) ہونے کا تذکرہ تو قرآن میں بہت تکرار کے ساتھ آیا ہے، جبکہ اپنی ذات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی قیامت تک کے لوگوں کے لیے یاد دہانی ہیں، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات میں مجسم قرآن ہیں۔ جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا فرمان ہے: ((کان خُلُقَةُ الْقُرْآن)) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق قرآن ہی تو تھا۔“

[بعض مترجمین نے یہاں ”ذُکْر“ کا ترجمہ ”شرف“ بھی کیا ہے۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے

سارے جہانوں کے لیے وجہ عز و شرف ہیں۔ (مرتب)]





# جدیدیت کے شیطانی ہتھکنڈے اور قرآنی تنبیہات

حافظ عاطف و حیدر حجۃ اللہ

(جامع القرآن، قرآن اکیڈمی لاہور میں ۱۳ اکتوبر ۲۰۲۲ء کا خطاب جمع)

خطبہ مسنونہ کے بعد تلاوت آیات:

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَنِ الرَّجِيمِ - بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
 ﴿إِنَّهُ وَلِيُ الَّذِينَ أَمْنُوا لَا يُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلْمِ إِلَى النُّورِ وَالَّذِينَ  
 كَفَرُوا أَوْلَيَهُمُ الظَّاغُوتُ لَا يُخْرِجُوهُمْ مِنَ النُّورِ إِلَى الظُّلْمِ طَ  
 أُولَئِكَ أَضَلُّ الظَّالِمِينَ هُمْ فِيهَا خَلِدُونَ ﴾٤٧﴾ (البقرة)  
 ﴿يَبْيَنِي أَدَمَ قَدْ أَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا سَوَّا رِتْكُمْ وَرِيشَاطَ  
 وَلِبَاسُ التَّقْوَى ذَلِكَ حَيْرَةٌ ذَلِكَ مَنْ أَنْيَ اللَّهَ لَعْلَهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴾٢٣﴾  
 يَبْيَنِي أَدَمَ لَا يَفْتَنَنَّكُمُ الشَّيْطَنُ كَمَا أَخْرَجَ أَبْوَيْكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ يَنْزَعُ  
 عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوَّا تِهَابًا إِنَّهُ يَرِكُمْ هُوَ وَقَبِيلُهُ مِنْ حَيْثُ  
 لَا تَرَوْهُمْ إِنَّا جَعَلْنَا الشَّيْطَنَ أَوْلَيَاءً لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴾٢٤﴾ وَإِذَا  
 فَعَلُوا فَاحْشَأْتَهُمْ قَالُوا وَجَدْنَا عَلَيْهَا أَبَاءَنَا وَاللَّهُ أَمْرَنَا بِهَا قُلْ إِنَّ اللَّهَ لَا  
 يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ وَأَنْهَا عَلَى اللَّهِ مَا لَا يَعْلَمُونَ ﴾٢٥﴾ (الاعراف)

آج میں نے خطاب جمع کے لیے جو آیات منتخب کی ہیں ان میں ایک تو سورۃ البقرۃ کی  
 (آیت ۲۵۷) ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے لیے ہدایت کے چینیز کا اور اہل کفر  
 ماہنامہ میثاق 26 دسمبر 2022ء

کے بے ہدایت کے چینیز کا ذکر کیا ہے۔ تین آیات سورۃ الاعراف کی ہیں جن میں شیطان کے خطرناک ترین ہتھکنڈوں سے آگاہ کیا گیا ہے۔ آج یہ موضوع اس لیے بہت اہم محسوس ہوتا ہے کہ ہدایت اور ضلالت کے مابین فرق اور امتیاز اختھا جلا جا رہا ہے۔ اس وقت بعض ایسی تحریکات سرگرم عمل ہیں جن کے زیر اثر آج کی مسلم یوچہ ہے۔ ان کے سامنے رفتہ رفتہ ایسے معاملات ایک عام سی بات بنتے چلے جا رہے ہیں جن کا دین اسلام میں بڑا حساس مقام ہے۔ چنانچہ ضروری ہے کہ ہم صحیح کہ اللہ تعالیٰ نے دین میں جو ہدایات عطا فرمائی ہیں وہ ان گمراہیوں کے ضمن میں کیا صحیح راستہ عطا فرماتی ہیں۔ ایسے میں امید ہے کہ ہم ان سے نبرداز ماہونے کی بھی صلاحیت پیدا کر سکیں گے۔ سورۃ البقرۃ میں فرمایا گیا:

**﴿اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ أَمْنُوا لَا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلْمِ إِلَى النُّورِ ط﴾**

”اللہ ولی ہے اہل ایمان کا، وہ انہیں نکالتا رہتا ہے تاریکیوں سے نور کی طرف۔“

جو لوگ اللہ پر ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں اور پھر واقعتاً اسی کو اپنارب، خالق، مالک اور مطابعِ حقیقی سمجھتے ہیں، ان کے لیے اللہ تعالیٰ پہلا اہتمام یہ فرماتا ہے کہ وہ ان کا کار ساز، ولی اور دوست بن جاتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ: **﴿يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلْمِ إِلَى النُّورِ ط﴾** ”وہ انہیں نکالتا رہتا ہے تاریکیوں سے نور کی طرف۔“ وہ اہل ایمان کو ظلمات سے نکال کر نور کی طرف لے آتا ہے۔ ظلمات سے یہاں مراد کوئی ظاہری اندر نہیں ہے بلکہ اس سے مراد بد عقیدگی، گمراہیاں گمراہ کن افکار اور نظریات ہیں۔ طرح طرح کے ایسے افکار و نظریات دنیا میں پھیلے ہی نہیں ہیں بلکہ پھیلائے گئے ہیں، اور آج وہ گویا ایک تحریک کی صورت اختیار کر چکے ہیں اور دنیا کے لیے متفق علیہ قسم کے اوصاف بن چکے ہیں۔ ان گمراہ کن نظریات کے خلاف اگر کوئی محاذ یاد فاعی نظام ہو سکتا ہے تو وہ وہی ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے اہل ایمان بندوں کے لیے کتاب ہدایت میں عطا فرماتا ہے۔ آگے فرمایا:

**﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَوْلَيَهُمُ الطَّاغُوتُ﴾**

”اور (ان کے بر عکس) جنہوں نے کفر کیا، ان کے اولیاء (پشت پناہ، ساتھی اور مددگار) طاغوت ہیں۔“

طاغوت، شیطان یا وہ لوگ جو اپنی بڑائی اور بالادستی چاہتے ہیں، جو من مانی زندگی بس کرنا چاہتے ہیں، میثاق ————— (27) ————— دسمبر 2022ء

ہیں یا ایک گروہ کی صورت ایک دوسرے کے ولی (دوسرا) ہیں۔ یعنی شیطان اور اس کی ضلیلی و معنوی ذریت، اس کے پیلے چانٹے، اس کے ایجنت۔ یہ لوگ کفر کی زندگی پر خوش اور مطمئن ہیں۔ ان کا کام یہ ہے کہ:

﴿يَخْرُجُونَهُمْ مِّنَ النُّورِ إِلَى الظُّلْمِ﴾

”وَهُوَ الَّذِي سَبَقَ لَنَا نَكَالَ كَرْتَارَمِكَيْوُنَ کِی طَرَفَ لَے جَاتَے ہیں۔“

یہ انسانوں کو ہدایت اور نور ایمان کی حالت سے نکال کر انہیں اندر ھیروں، گمراہیوں، ضلالتوں بعد عقیدگی اور بے دینی میں مبتلا کرنے کے لیے مسلسل سمجھی وجہہ اور محنت کرتے رہتے ہیں۔

﴿أُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمُ فِيهَا خَلِدُونَ﴾ (۱۷) (البقرة)

”یہی لوگ ہیں آگ والے یا اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔“

دوسراما مقام سورۃ الاعراف کا ہے جو کم سے کم تین آیات کا مجموعہ ہے۔ ارشاد و باری تعالیٰ ہے:

﴿يَبْيَقُ أَدَمَ قَدْ أَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِيَأْسًا يُؤْرِثُ سُوَاتِكُمْ وَرِيشًا﴾

”اے آدم کی اولاد! ہم نے تم پر لباس اتنا راجو تمہاری شرم گاہوں کو ڈھانپتا ہے اور آرائش وزیارت کا سبب بھی ہے۔“

یہاں خطاب ہم اور آپ سے ہے کہاے بنی آدم یقیناً ہم نے تم پر اتنا را ہے ایک لباس جو تمہاری ستر پوشی کرتا ہے، تمہارے شرم کے مقامات کو چھپاتا ہے اور وہ زیب و زینت بھی ہے۔ یہاں گویا لباس کے دو اہم مقاصد بتائے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ ستر پوشی کا کام کرتا ہے۔ انسان کے وہ اعضاء جو شرم کے مقامات ہیں، انہیں چھپانے اور انسان کی حیا قائم رکھنے کا ذریعہ بتتا ہے۔ ان مقامات کو چھپانا لباس کا بنیادی کام (function) ہے۔ پھر یہ زیب و زینت کا باعث بھی ہے۔ اچھی وضع قطع کا صاف سترہ لباس ہو تو انسان کی شخصیت میں وقار پیدا ہوتا ہے، اس کی شخصیت نکھرتی ہے۔ اگر کوئی شخص بد ہیئت لباس پہن لے تو اس کا حلیہ اور اس کی appearance بڑی معیوب سی نظر آتی ہے۔ لباس یہ دونوں کام کرتا ہے، لیکن اس کا بنیادی کام ستر پوشی ہی ہے۔

﴿وَلِيَأْسُ التَّقْوَىٰ ذَلِكَ حَيْرٌ﴾

”اور (اس سے بڑھ کر) تقویٰ کا لباس جو ہے وہ سب سے بہتر ہے۔“

تقویٰ کے لباس سے مراد شرم و حیا ہے۔ یہ ایمان کی بنیاد ہے۔ حضرت حسن بصریؓ نے ”لِيَأْسُ التَّقْوَىٰ“ کی تفسیر شرم و حیا سے کی ہے۔

﴿ذلِكَ مِنْ أَيْمَانِ اللَّهِ وَالْعَلَيْهِمْ يَدْكُرُونَ ﴾③

”یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ یہ لوگ نصیحت اخذ کریں۔“

یہ اللہ کے احکامات ہیں، اس کے فرایمن ہیں، تاکہ لوگ سمجھیں اور نصیحت اخذ کریں۔ آگے فرمایا:

﴿يَبْيَنِي أَدَمْ لَا يَفْتَنَنَّكُمُ الشَّيْطَنُ كَمَا أَخْرَجَ أَبْوَيْنِكُمْ مِنِ

الْجَنَّةَ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيهُمَا سَوْعَاهُمَا ط﴾

”اے بنی آدم! (دیکھو اب) شیطان تمہیں قتنے میں نہ ڈالنے پائے، جیسے کہ تمہارے والدین کو اس نے جنت سے نکلوادیا تھا (اور) اس نے اتر وادیا تھا ان سے ان کا لباس، تاکہ ان پر عیاں کر دے ان کے شرم کے مقامات۔“

آدم و حوا عليهم السلام کے جنت سے نکلنے کا جو سارا واقعہ قرآن حکیم میں بارہا بیان ہوا ہے، یہاں اس کی طرف اشارہ ہے کہ شیطان انہیں جنت سے نکالنے کا ذریعہ بنا۔ اس نے ایک مغالطہ پیدا کیا۔ حضرت آدم اور حضرت حوا عليهم السلام کے سامنے طرح طرح سے قسمیں کھائیں اور اپنی بات کو بااعتبار بنانے کی کوشش کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جس درخت کا پھل کھانے سے انہیں روکا گیا تھا وہ دونوں اسے کھا بیٹھے۔ ان سے ایک معصیت سرزد ہو گئی، جو شیطان کے ورگلانے کی وجہ سے ہوئی۔ اس نے ایک بڑی illusion پیدا کی کہ اللہ نے جس چیز سے تمہیں روکا ہے وہی تو اصل شے ہے۔ چنانچہ اس نے ان سے ان کے لباس اتر وادی یے یعنی بے پر دگی طاری کر دی۔ ان کے شرم کے مقام جو اللہ نے چھپائے ہوئے تھے ظاہر ہو گئے۔ جنت کا جو خاص لباس فاخرہ تھا وہ اتر گیا اور ان کے سامنے آپس میں بے پر دگی کا اظہار ہو گیا۔ آگے فرمایا:

﴿إِنَّهُ يَرِكُمْ هُوَ وَقِيلُهُ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ط﴾

”یقیناً وہ اور اس کی ذریت وہاں سے تم پر نظر رکھتے ہیں جہاں سے تم انہیں دیکھ نہیں سکتے۔“

شیطان بڑا خطرناک دشمن ہے۔ اس لیے کہ ایک دشمن وہ ہوتا ہے جو سامنے آ کر وار کرتا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ وہ یہاں موجود ہے۔ آپ اس سے محتاط بھی رہ سکتے ہیں، دفاع بھی کر سکتے ہیں۔ ایک دشمن وہ ہے جو آپ کو نظر ہی نہیں آ رہا، آنکھوں سے اوچھل رکھا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ تم انہیں نہیں دیکھ سکتے لیکن وہ تمہیں دیکھتے ہیں۔ یہاں شیاطین جن مراد ہیں۔ اب تو شیاطین انس بھی ہیں جنہوں نے ایسی ایسی ڈیوانسر ایجاد کر لی ہیں کہ بہت ہی نجی قسم کی

ملاقا تین اور نفلوگو نہیں بھی ریکارڈ پر لا کر آپ کے سامنے ظاہر کر دیتے ہیں۔ آخر ایک طرح سے وہ دیکھہ ہی رہے ہیں۔ گویا بیہاں شیاطین جن و انس کا آپس میں ایسا گٹھ جوڑ (nexus) ہے گیا ہے کہ ان کے ماہین کوئی فرق نہیں رہا۔ آگے فرمایا:

**﴿إِنَّا جَعَلْنَا الشَّيْطَيْنَ أُولِيَاءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴾۲۶﴾**

”ہم نے تو شیاطین کو ان لوگوں کا دوست بنادیا ہے جو ایمان نہیںلاتے۔“

جو لوگ ایمان کے تقاضے پورے نہیں کرنا چاہتے اصل میں ان کا جماعتی ولی اور کارساز شیطان اور اس کا قبیلہ ہے۔ اگلی آیت میں فرمایا:

**﴿وَإِذَا فَعَلُوا فَاجِشَةً قَالُوا وَجَدْنَا عَلَيْهَا أَبَاهَا تَا وَاللَّهُ أَمْرَنَا إِلَهًا طَ﴾**

”اور جب یہ لوگ کوئی بے حیائی کا کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے پایا ہے مبھی کچھ کرتے ہوئے اپنے آباء و اجداد کو اور اللہ نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے۔“

بیہاں ”فاحشہ“ کا لفظ لایا گیا ہے جس میں بے حیائی کے کام تو شامل ہیں ہی، لیکن عربی زبان میں فاحشہ صرف بے حیائی کے کاموں کو ہی نہیں کہا جاتا بلکہ اس میں بڑے بڑے منکرات اور غلط کام بھی شامل ہیں۔ خاص طور پر ذہن میں رکھیے کہ بیہاں مخاطبین قریش کے وہ لوگ ہیں جنہوں نے دین ابراہیم کا حلیہ بگاڑ دیا تھا۔ وہ بیت اللہ شریف میں آتے تھے تو اپنے ہی طور طریقے اختیار کرتے تھے۔ وہ بیجا ہیت میں بیرون مکہ سے آنے والوں پر پابندیاں لگائی ہوئی تھیں کہ چونکہ ان کا لباس آلودہ ہوتا ہے، مختلف قسم کے گناہوں سے لھڑرا ہوا ہوتا ہے لہذا وہ اسے اُتار کر آئیں۔ لہذا دن کے وقت مرد بے لباس ہو کر طواف کر رہے ہوتے اور رات کے اوقات میں عورتیں بے لباس ہو کر طواف کر رہی ہوتیں۔ یہ طریقہ انہوں نے اختیار کیا ہوا تھا۔ یوں وہاں کے ہوس پرست لوگ ان کو تاکتے تھے اور پھر باقی میں اور اسکینڈل زبناتے تھے۔ یہ فتنہ کام مطاف کے اندر عین بیت اللہ شریف کے اطراف میں ہو رہا تھا۔ جب ان کو اس قسم کے کاموں کے بارے میں بتایا جاتا تھا کہ یہ تم نے کون سا طریقہ اختیار کیا ہوا ہے یادوں رے منکرات کا ارتکاب کرنے پر کہا جاتا تھا کہ ان کی شریعت ابراہیم میں کوئی حیثیت نہیں، تو وہ کہتے تھے کہ یہ ہمارے پرکھوں کی روایات ہیں اور آباء و اجداد کا طریقہ ہے۔ لہذا ہم ان طریقوں کو ہی فالو کریں گے اور یہ صحیح طریقے ہیں۔ درحقیقت یہ ایک الزام تھا جس کا جواب قرآن نے بڑے واضح طور پر کئی جگہوں پر دے دیا:

﴿أَوْلَوْ كَانَ أَبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ﴾ (البقرة: ١٥)

﴿.....لَا يَعْلَمُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ﴾ (المائدة: ١٣)

کیا یہ بھر بھی اپنے آباء کی پیروی کریں گے اگرچہ وہ نہ تو عقل رکھتے تھے نہ ہدایت پر تھے نہ ہی ان کے پاس علم تھا۔ بھر بھی انہی کے پیچھے چلیں گے؟ یہ مختلف انداز مختلف مقامات پر اختیار کیے گئے۔ دوسرا الزام یہ تھا کہ یہ جو کچھ ہم کر رہے ہیں اللہ نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے۔ یہ اصل میں اللہ پر بالواسطہ الزام (allegation) لگایا گیا۔ اس میں یہ نکتہ ہے کہ اگر ہمارے آباء یہ کرتے تھے تو یقیناً انہیں حکم ہوا ہوگا۔ لہذا اگر ہم اپنے آباء کی اتباع کر رہے ہیں تو اصل میں ہم اللہ ہی کے حکم کو فال کر رہے ہیں۔ ہم اپنی طرف سے کچھ نہیں کر رہے ہیں۔ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ:

﴿قُلْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ طَاتِقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا

تَعْلَمُونَ ﴾ (٨)

”(اے نبی ﷺ! ان سے) کہہ دیجیے کہ اللہ تعالیٰ بے حیائی کا حکم نہیں دیتا۔ تو کیا تم اللہ کی طرف منسوب کر رہے ہو وہ کچھ جس کا تمہیں کوئی علم نہیں!“

اس وقت اہم ترین بات یہ نوٹ کرنے کی ہے کہ جن چیزوں کو اللہ نے شیطان کی پیروی قرار دیا ہے ان میں ایسے نخش اور مکرات شامل ہیں، جو آخر اس طرح عام ہو گئی ہیں کہ ان کے اور دین کی اصل تعلیمات کے درمیان امتیاز کرنا مشکل ہو گیا ہے۔ اسی لیے قرآن مجید کی وہ آیات بھی ذہن میں رکھیے جن میں شیطان کے نقش پا کی پیروی سے منع کیا گیا ہے۔ یہ آیات قرآن مجید میں کم سے کم چار مقامات پر آئی ہیں۔ سورۃ البقرۃ میں ایک مقام پر فرمایا گیا:

﴿يَا يَهُآ النَّاسُ كُلُّوْا هِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَّا طَيِّبًا وَلَا تَنْتَبِعُوا

خطویں الشیطینِ ط﴾ (البقرۃ: ١٦٨)

”اے لوگو! زمین میں جو کچھ حلال اور طیب ہے اسے کھاؤ، اور شیطان کے نقش قدم کی پیروی نہ کرو۔“

یعنی ایسی بد عقیدگیاں مت اختیار کرو کہ فلاں اشیاء حرام ہیں، حالانکہ وہ حرام نہیں تھیں۔ انہوں نے بعض حلال چیزوں کو حرام ٹھہرایا ہوا تھا۔ قرآن مجید ایک مرتبہ نہیں بلکہ چار مرتبہ یہ حکم دے رہا ہے کہ شیطان کے نقش قدم پر مت چلو۔ اگر کوئی غیر اہم random تصور یا

بات ہوتی تو اس شد و مدد کے ساتھ چار مرتبہ حکم نہ دیا جاتا۔ یہی بات سورۃ البقرۃ میں پھر فرمائی:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَةً ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا  
خُطُوطَ الشَّيْطَنِ ۝﴾ (البقرۃ: ۲۰۸)

”اے اہل ایمان! اسلام میں داخل ہو جاؤ پورے کے پورے اور شیطان کے نقش  
قدم کی پیروی نہ کرو۔“

یعنی اسلام کے تقاضوں میں تفریق کر دینا کہ اس کو تو ہم مانیں گے اور اس کو نہیں مانیں گے، یہ  
امور ہمارے لیے مشکل ہیں، ایسا طرز عمل درحقیقت شیطان کے نقش قدم پر چلنا ہے۔ اسی طرح  
سورۃ الانعام میں بھی فرمایا:

﴿كُلُّوا هَيَّا رَزَقُكُمُ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوطَ الشَّيْطَنِ ۖ إِنَّهُ لَكُمْ  
عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۝﴾ (۳۷)

”کھاؤ اس میں سے جو اللہ نے تمہیں رزق دیا ہے اور شیطان کے نقش قدم کی پیروی  
نہ کرو۔ یقیناً وہ تمہارا اکلا شمن ہے۔“

یہی بات پھر سورۃ النور میں بھی فرمائی گئی:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا خُطُوطَ الشَّيْطَنِ ۖ وَمَنْ يَتَّبِعُ  
خُطُوطَ الشَّيْطَنِ فَإِنَّهُ يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ ۝﴾ (النور: ۲۱)  
”اے اہل ایمان! شیطان کے نقش قدم کی پیروی نہ کرو۔ اور جو کوئی شیطان کے نقش  
قدم کی پیروی کرے گا تو شیطان تو اسے بے حیائی اور برائی ہی کا حکم دے گا۔“

یہ میں نے اس موضوع پر اہم ترین آیات آپ کے سامنے پیش کی ہیں جن میں شیطان  
کا ایک بہت بڑا ہتھکنڈا یہ بتایا گیا ہے کہ وہ تمہیں فاشی اور منکرات کا راستہ دکھائے گا۔ آج کل  
ہمارے معاشرے میں بعض اصطلاحات ایسی عام ہوئی ہیں اور انہیں ایسے قبول (recognise)  
کر لیا گیا ہے گویا یہ basic human faculties ہیں جو تمام انسانوں میں متفق علیہ ہیں۔  
چودھویں صدی عیسوی میں ”Renaissance“ کی تحریک نے سراٹھایا، جو سلوہویں صدی تک  
جاری رہی۔ اس کا بنیادی فلسفہ یہی تھا کہ روایت یا مذہب ترقی کی راہ میں سب سے بڑی  
رکاوٹ ہے، منطق (logic) جسے میں عقل گزیدگی کہوں گا، اور فلسفے اور آرٹ ہی کے ذریعے با  
عروج تک پہنچا جا سکتا ہے۔ یہی علوم تمہاری خواہشات کی تسلیم کا ذریعہ ہیں۔ چنانچہ  
ماہنامہ میثاق 32 (2022ء)

”Renaissance“ کی تحریک کو بڑے اچھے الفاظ میں بیان کیا جاتا ہے کہ یہ ”احیاء العلوم“ کی تحریک تھی۔ لیکن اس کے پس پرده اصل شے بے دینی، اللہ سے ذوری، مذہب بیزاری اور سب سے بڑھ کر اپنی عقل اور اپنی دانش پر انحصار تھا۔ پھر اس تحریک نے آگے بڑھ کر مختلف شکلیں اختیار کیں۔ چنانچہ ستر ہویں اور اٹھار ہویں صدی میں اس نے ایک نیا مژہ لیا جسے روشن خیالی (Enlightenment) کہا جاتا ہے یعنی تحریک تنویر۔ دراصل جب پرانی باتوں کا اثر ختم ہو جائے تو پھر نئے بت ترا شنے پڑتے ہیں، جیسے کہ علامہ اقبال نے کہا:—

بدل کے بھیں پھر آتے ہیں ہر زمانے میں

اگرچہ پیر ہے آدم، جوں ہیں لات و منات

یعنی آدم تو بوڑھا ہو چکا ہے لیکن لات و منات اور گمراہی کے مختلف بڑے بڑے نئے سلوگز نے انسانوں کے سامنے لائے جاتے ہیں۔ بڑی اچھی بات ہے کہ روشن خیالی ہونی چاہیے لیکن اصلاً یہ خدا بیزاری اور دین سے دوری کا ذریعہ اور سبب بن رہی ہے۔ روایات کو تبدیل کر رہی ہے۔ قرآن پڑھنے اور پڑھانے کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ کوئی کرنے کا کام ہے؟ اگر آپ ترقی کرنا چاہتے ہو تو سائنس اور فلسفہ پڑھو۔ یہ باور کرا ریا جاتا ہے کہ انہی علوم کے باعث دنیا آگے نکل گئی اور کہیں سے کہیں پہنچ گئی ہے۔ ظاہر ہے یہ سب وہی کہہ سکتا ہے جس کے پیش نظر صرف دنیا ہے، اسے آخرت سے کوئی سروکار نہیں۔ بادی انتظار میں دیکھا جائے تو یہ نہایت خوب صورت عنوانات ہیں، لیکن ان کے پس پرده جو کچھ ہے وہ اکثر ہمیں معلوم ہی نہیں ہوتا۔

پھر ”فیمینزم“ کی تحریک کے ذریعے ایک نیا قدم اٹھایا گیا ہے۔ ”تحریک نسوان“ بظاہر بہت اچھی نظر آتی ہے کہ مرد کے ہاتھوں عورتوں کا استھصال ختم کیا جائے۔ انسانوں کا معاشرہ ہمیشہ سے male-dominant معاشرہ رہا ہے۔ عورتوں کا استھصال یقیناً ہوتا ہے، لیکن اصل مسئلہ یہ ہے کہ اسے کیسے دور کیا جائے۔ آسمانی بدایت کی روشنی میں اس ظلم کے خاتمے کی تدبیر کرنا بالکل جدا شے ہے، لیکن فیمینزم کے تحت عورت اور مرد کو ہر اعتبار سے برابر قرار دے کر ان کے استھصال کو رفع کرنا بالکل جدا معاملہ ہے۔ چنانچہ انیسویں صدی میں اس کی پہلی لہر (wave) آئی تھی جس میں یہ کہا گیا کہ قانونی اعتبار سے عورتوں اور مردوں میں مساوات ہونی چاہیے۔ اگرچہ یہ برابری کا نعرہ ہے لیکن یہ حق اپنے صحیح معنوں میں وہ خود بھی دینے کو تیار نہیں ہیں۔

درحقیقت یہ برابری بھی استحصال کا ذریعہ ہے۔ تفصیلات کا یہ موقع نہیں ہے، لیکن درحقیقت اس سے عورتوں کا مزید استحصال ہوتا ہے، اگرچہ ظاہر میں یہ بڑا خوشنما سلوگن ہے۔ اس کے بعد بیسویں صدی میں بات بہت آگے پہنچادی گئی کہ تمدنی، معاشرتی، سیاسی اور معاشی طور پر اپنی سوچ، فکر اور فیصلہ سازی وغیرہ کے اعتبار سے عورت مرد کے بالکل برابر ہے۔ اس پر کوئی قدغن نہیں اور آسمانی دباؤ تو دور کی بات ہے، اخلاقی دباؤ بھی کوئی نہیں۔ چنانچہ اس ذریعے سے شیطان نے ایک نیا ہتھکنڈا اختیار کیا۔ اسی کا یہ مظہر ہے کہ آج حکومتی سطح پر بڑی بڑی مجالس اور تقریبات میں وہ من ایمپاؤرمنٹ کا دعویٰ کیا جا رہا ہوتا ہے۔ خواتین کو با اختیار بنا ناظراً ہر بڑی اچھی بات ہے کہ اس کے ذریعے وہ معاشرے کا اچھا اور مفید شہری نہیں لیکن زمینی حقائق یہ نظر آتے ہیں کہ اس کا مقصد خاندانی نظام کو درہم کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو قرار دیا ہے کہ:

﴿الْجَالُ قُوَّمُونَ عَلَى النِّسَاءِ إِمَّا فَضَلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ

وَإِمَّا أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ﴾ (النساء: ۳۲)

”مرد عورتوں پر حاکم ہیں بسب اُس فضیلت کے جو اللہ نے بعض کو بعض پر دی ہے اور بسب اس کے کہ جو وہ خرچ کرتے ہیں اپنے مال۔“

آج یہ سارے دینی اور اخلاقی ضابطے ایک طرف کر دیے گئے ہیں۔ یہ ایک بدیہی امر ہے کہ ایک دفعہ اگر عورت کو یوں گھر سے نکال دیا تو پھر باقی کا تختہ بھی کام خود بخوبی ہوتا چلا جاتا ہے۔ چنانچہ ”حریت نسوان“ (woman emancipation) اور ”خود مختاری نسوان“ (woman empowerment) وغیرہ مختلف عنوانات ہیں جن کے تحت شیطان کے جدید ”خطوات“ نمایاں ہو کر سامنے آتے ہیں۔

اس سارے پس منظر میں آج کی سب سے بڑی ضرورت یہ نظر آتی ہے کہ ان فتنوں کو پہچانا جائے۔ اگر ہمیں اپنی اور آئندہ نسلوں کے ایمان کی فکر ہے اور انہیں شیطان کی ان ساری چالوں سے آگاہ کرنا مقصود ہے تو ہمیں ان فتنوں کی حقیقت کو سمجھنا ہوگا۔ ان کا ظاہر اپنی جگہ بڑا خوبصورت اور خوش رنگ ہے جبکہ ”اندرون چینگیز سے تاریک تر“ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جو تعلیمات ایمان اور حیا کے ضمن میں عطا فرمائی ہیں، میں چند احادیث آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ تاکہ حق و ناحق کافوری تقابل نمایاں ہو جائے۔

حضرت زید بن طلحہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((إِنَّ لِكُلِّ دِينٍ  
خُلُقًا وَخُلُقُّ الْإِسْلَامِ الْحُسْنَاءَ)) (رواہ ابن ماجہ: ۱۸۲ و الطبرانی: ۳۸۹ / ۱۰: )  
”ہر دین کا کوئی نہ کوئی امتیازی وصف ہوتا ہے اور اسلام کا امتیازی وصف حیا ہے“۔ ہر دین کی  
ایک الگ، ایک خاص علامت ہوتی ہے۔ حیا ایک باطنی کیفیت ہے۔ یہ انسان کی ایک فطری  
صلاحیت اور بنیادی وصف ہے جو اس کی سیرت سازی میں سب سے موثر کردار ادا کرتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((أَلْحَيَا مِنْ  
الْإِيمَانِ وَالْإِيمَانُ فِي الْجَنَّةِ، وَالْبَذَاءُ مِنَ الْجَنَّاءِ، وَالْجُفَنَاءُ فِي النَّارِ)) (مسند احمد:  
۱۰۵۱۹) ”حیا ایمان سے ہے (ایمان کا لازمی جزو ہے) اور ایمان جنت میں داخل کی ہماں  
ہے، اور بے شرمی و بے حیائی جفا ہے (بد کاری ہے، بے عملی ہے) اور اس کا انجام آگ ہے۔“

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((إِنَّ الْحُسْنَاءَ  
وَالْإِيمَانَ قُرْنَا جَيْئِنَا)) حیا اور ایمان دونوں ہمیشہ ساتھ ساتھ اکٹھے ہوتے ہیں۔ یہ نہیں  
ہو سکتا کہ کوئی شخص کہے کہ میں ایمان والا ہوں جبکہ وہ بے حیا بھی ہو۔ کوئی بے حیا شخص ایمان والا  
ہو ہی نہیں سکتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آگے فرمایا: ((فَإِذَا رُفِعَ أَحَدُهُمَا رُفِعَ الْآخَرُ))  
(مستدرک الحاکم: ۵۸۔ صحیح الجامع: ۱۶۰۳) ”ان دونوں میں سے ایک چیز اگر اٹھائی  
جائے تو دوسری چیز از خود ختم ہو جاتی ہے۔“ یعنی ایمان چلا گیا تو انسان بے حیا ہو جائے گا اور حیا  
اٹھائی تو انسان بے ایمان ہو جائے گا۔

حضرت ابو مسعود عقبہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((إِنَّ  
مَنْ أَذْرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِ النُّبُوَّةِ الْأُولَى إِذَا لَمْ تَسْتَحِيْ فَأَصْنَعْ مَا شِئْتَ))  
(صحیح البخاری: ۳۲۸۳) ”بچھلی نبیتوں کی باتوں میں سے جو کچھ لوگوں نے اعلیٰ ترین  
بات اخذ کی ہے اس میں سے یہ بھی ہے کہ اگر تم میں حیانہ رہے تو پھر جو چاہو کرتے پھر وہ“۔  
پھر کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ چاہے انسان شیطان کے بھی کان کرنے لگے اور اس سے بھی کہیں  
آگے بڑھ کر جہنم کے راستے پر بگٹھ جھاگے۔ یہ سب ممکنات ہیں اگر انسان کے اندر سے شرم  
و حیا نکل گئی۔ ع بے حیاباش وہرچہ خواہی کن!

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((أَلْحَيَا  
مَا هُنَّا مِنْ مِيقَاتٍ)) (35) دسمبر 2022ء

لَا يُأْتِنَ الْأَخْيَرُ ((متفق عليه)) ”حیا سے خیر ہی برآمد ہوتا ہے“۔ یہ الفاظ متفق علیہ حدیث کے ہیں، جبکہ صحیح مسلم کی روایت میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں: ((الْحَيَاةُ خَيْرٌ لِّكُلِّهِ)) اور قال: ((الْحَيَاةُ كُلُّهُ خَيْرٌ)) یعنی حیا تو کل کی کل خیر ہی خیر ہے۔ یہ اصل میں آج کے دور کی ایک بہت بڑی غلط فہمی ہے کہ اگر کوئی شخص شرمیلا (shy) ہے، اس کے اندر بے با کی نہیں ہے تو وہ مادی ترقی میں پچھے رہ جائے گا اور دنیا کا مقابلہ نہیں کر سکے گا۔ یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ ایسا ہر گز نہیں ہے بلکہ حیا سے بالآخر خیر ہی برآمد ہو گا۔

یہ چند باتیں خاص طور پر اس نسبت سے عرض کی گئی ہیں کہ اب ہمارے لیے لمحہ فکر یہ ہے کہ اس وقت معاملات Renaissance، روشن خیالی، فینیزیزم اور وومن ایکٹپا اور منٹ سے بہت آگے جا چکے ہیں اور اب ”ثرانس جینڈر“ کے نام پر بہت کچھ ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ان فتنوں سے متنبہ ہونے کی توفیق عطا فرمائے اور ان لوگوں کو اجر سے نوازے جنہوں نے اس بڑے فتنے سے لوگوں کو آگاہ کیا!

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين



## ہماری ویب سائٹ

[www.tanzeem.org](http://www.tanzeem.org)

پر ملاحظہ کیجیے:

- ☆ تنظیم اسلامی کا تعارف
- ☆ بانی تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد کا مکمل دورہ ترجمہ قرآن
- ☆ بانی تنظیم اسلامی اور امیر تنظیم اسلامی کے مختلف خطابات
- ☆ تلاوت قرآن، دروس قرآن، دروس حدیث اور خطابات جمعہ
- ☆ صحیح بخاری، صحیح مسلم، موطا امام مالک اور اربعین نوویٰ کے تراجم
- ☆ میثاق، حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے تازہ اور سابقہ شمارے
- ☆ اردو اور انگریزی کتابیں
- ☆ آڈیو و یڈیو یونیورسٹی کیسٹس رسی ڈیزائن اور مطبوعات کی مکمل فہرست



# واہ! ڈاکٹر اسرار احمدؒ

ڈاکٹر محمد شریف نظامی \*

یہ تحریر داعی ترقی آن ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے انتقال پر ملال کے اگلے ہی روز صاحبِ مضمون کے نوک قلم پر آگئی تھی، لیکن وہ اسے اشاعت کے لیے ارسال نہ کر سکے۔ ہمیں یہ تحریر چند روز قبل موصول ہوئی ہے اور اسے نذر قارئین کیا جا رہا ہے۔

قارئین کرام! ”یادِ رفتگان“ کے تحت میسیوں تحریر یہ پڑھنے کا اتفاق ہوا ہو گا۔ آپ نے یقیناً محسوس کیا ہو گا کہ ان کا آغاز تو ”آہ!“ سے ہوتا ہے۔ اس ”واہ!“ کے کیا معنی؟ آپ کا یہ تاثر بالکل درست ہے۔ اگرچہ یہ تحریر پر نام آنکھوں کے ساتھ سطور کاروپ دھار رہی ہے..... لیکن ”آلستُ بِرَبِّكُمْ؟“ کی پاکار پر جب ڈاکٹر صاحبِ مرحوم کی روح پر فتوح نے ”تبیٰ وَرَبِّتَا“ کی صدابند کی تو اس عالمِ رنگ و بو میں آکر عامۃ الناس کے برکس اس عہد کو نجھایا اور خوب نجھایا۔ دراصل یہ ”واہ“ اسی امر کا غماز ہے۔ یہاں میں ان کے مرشد سید مودودیؒ کا تذکرہ نہ کروں تو بھی نا انصافی ہو گی۔ کل جب ان کا جنازہ پڑھ کر واپس آ رہے تھے تو ایک صاحبِ ذوق نے بے ساختہ کہا: ”مولانا مودودیؒ کا تراشا ہوا یہ ہیرا آج تیخاک روپوش ہو گیا۔“ میں سوچنے لگا: ہمارے ان دوست نے اگرچہ ہر دو حضرات کو نہایت خوبصورتی کے ساتھ خراچ تحسین پیش کیا ہے لیکن بقول حافظ شیرازی ۔

ہرگز نمیرد آنکہ دل زندہ شد بعشق

ثبت است بر جریدہ عالمِ دوامِ ما!

”جن کے دلِ عشق سے زندہ ہوتے ہیں وہ کبھی مرنہ نہیں کرتے“ کیونکہ صحیفہ ہستی پر ان کا نام نقش بر جرکی طرح ثبت ہو جاتا ہے۔“

\* چیف سائینٹیفک آفیسر (ر) رحمان پورہ کالونی لاہور

ڈاکٹر اسرار مرحوم کو پہلی بار ۲۷ اگسٹ ۱۹۷۴ء میں کنگ ایڈورڈ میڈ یکل کالج کے آڈیٹوریم میں  
 سنا۔ ہم ان دونوں پنجاب یونیورسٹی میں، ہوٹلز میں کمرے نہ ملنے کی وجہ سے، وہاں ایک دوست  
 کے ہاتھ پر ہے ہوئے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے ”مجازات کی حقیقت اور ان کے وقوع“ پر  
 بات کی۔ ان کا یہ لیپچر سلاست فلک، دلیل قاطع اور عقل انسانی کو اپیل کا حسین مرقع تھا۔ جس انداز  
 سے انہوں نے اپنی بات کی وضاحت کی، نطق اس کی بلا میں لینے لگا اور علم الکلام کے رنگ  
 بر نگے پھول کھلتے دکھائی دیے۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم کا کہنا تھا کہ ”دنیا نے آب و گل“، ماؤں کی  
 خصوصیات کا کھیل ہے۔ پانی بہتا ہے، آگ جلاتی اور ہوا زور سے چلتے تو تباہی مچاتی ہے۔ جو شخص  
 ان کو ”خدا“ سمجھتا ہے وہ مجازات کا منکر ہے۔ پھر ذرا آگے قدم بڑھاتے ہوئے فرمایا: ”درحقیقت  
 یہ سب تو خدائے واحد کے غلام اور عاجز بندے ہیں۔ جب اللہ کا حکم ہوتا ہے آگ جلاتی ہے، جب  
 فرمان جاری ہو کہ ٹھنڈی ہو جاتا تو ٹھنڈی ہو جاتی ہے، بلکہ گزار بن جاتی ہے۔ پانی کو عموماً بہنے کا حکم  
 ہے، لیکن مصلحت ہوتا سے جنم کرتا تو دے بن جانے کا کہہ دیا جاتا ہے اور اکثر انسانوں کے علی الرغم  
 وہ اس سے سرتبا نہیں کرتا۔“ مزید فرمانے لگے: ”یہ کوئی انہوںی بات نہیں۔ صاحب اختیار اپنے  
 مانختوں کو اخواز اختیارات منتقل کرتا ہے اور جب چاہتا ہے واپس لے لیتا ہے۔ علی بذا القیاس!

دوسری بار جامعہ پنجاب کی جامع مسجد میں ڈاکٹر صاحب (مرحوم) کا خطاب سننے کا اتفاق  
 ہوا۔ ان دونوں لیاقت بلوچ صوبہ پنجاب کے لیے اسلامی جمیعت طلبہ کا ناظم ہونے کے باوجود  
 ”کلین شیو“ تھے۔ جمیعت کے ذمہ دار ان کے چہرے اکثر ویسٹرن نبوی سے مزین ہوتے  
 ہیں اور ڈاکٹر صاحب خود اسلامی جمیعت طلبہ کے ناظم اعلیٰ رہ چکے تھے، لہذا ان کو یہ بات ناگوار  
 گزری۔ ”واعظانہ انداز“ سے بالکل ہٹ کر کہنے لگے: ”لیاقت بھائی! ہمارے دور میں تو آپ  
 جیسے لوگوں کی داڑھیاں ہوا کرتی تھیں“۔ سچ ہے کہ ع ”از دل خیز و بر دل ریز“، بات دل  
 سے نکلی اور دل پر ہی جاگی۔ یا پھر علامہ اقبال کی زبان میں ۔

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے

پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے!

بہر حال امرِ واقعہ یہی ہے کہ کچھ عرصے بعد لیاقت بلوچ باریش ہو گئے۔

ہر چند کہ اظہارتاثرات کی طوالت بھی پیش نظر ہے لیکن یادوں کی کہکشاں میں ہر آن نت  
 میثاق ————— (38) ————— دسمبر 2022ء

نئے سیارے نمودار ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ یومِ اقبال اور ایسے دیگر موقع پر بعض سیکولر ”دانشور“ اپنا پرانا راگ الاتپتے اور اس عمل کے دوران کچھ لوگ ان کے زور بیان سے متاثر ہوتے بھی نظر آتے، لیکن اگر ڈاکٹر صاحب مرحوم وہاں موجود ہوتے تو اپنی تقریر میں اس مدل اور مسکت انداز سے ان کی ”خبر“ لیتے کہ اب دل پر منوں بوجھ محسوس کرتے ہوئے کہنا پڑتا ہے۔

اک دیا اور بجھا اور بڑھی تاریکی  
شب کی سنگین سیاہی کو مبارک کہہ دو!

لیکن نہیں! نہیں! فہم قرآن کے جو چراغ آپ نے خون جگر سے روشن کیے ہیں ان کی ضوفشانیاں تابد ”تاریکیوں“ کا، ان شاء اللہ تعالیٰ کرتی رہیں گی۔

احقر کے تجربہ کے مطابق، ہمارے معاشرے کے اکثر اہل علم و دانش کا یہ چلن ہے کہ بڑے دانشور انہ انداز سے حالات کا تجزیہ کریں گے، ان کی خرابی پر فارسی زبان ہی نہیں عربی زبان کی گردان کریں گے، (فارسی گرامر میں فعل کے چھ صیغے اور عربی زبان میں چودہ ہوتے ہیں) اور دینی سیاسی جماعتوں میں ”ما نیکرو سکوپ“ لگا کر ”جراثیم“ تلاش کریں گے، لیکن میدان عمل میں وہ صفر کہ جو پورے کرہ ارض پر محیط ہو جائے۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم و مغفور اس پس منظر میں بھی منفرد نظر آتے ہیں۔ جماعت اسلامی سے طریق کار پر اختلاف ہوا تو نہایت شائستگی سے الگ ہو گئے لیکن نظر نصب العین سے سرمو نہیں ہٹی۔ انہم خدام القرآن کے نام سے دعویٰ و اشاعتی ادارہ قائم کیا اور تنظیم اسلامی کے نام سے ایک اسلامی انقلابی جماعت کی داغ بیل ڈالی۔ یوں یہ ”ہوتا ہے جادہ پیاسا پھر کارواں ہمارا“ کا نعرہ بلند کرتے ہوئے میدان عمل میں کوڈ پڑے۔ آپ واحد فرد تھے (جماعتوں کے علاوہ) جنہوں نے سب سے پہلے پیغامِ قرآن کا علم اپنے ہاتھوں میں تھاما۔ علامہ اقبال کی زبان میں ۔

گمان آبادِ ہستی میں یقین مردِ مسلمان کا

بیباں کی شبِ تاریک میں قندیلِ رہبانی

یقین کی یہ قندیلِ تادِ آخر انہوں نے تھامے رکھی۔

قارئینِ کرام! یہ سطور قلم برداشتہ ہیں اور ان کا مقصد صرف اور صرف یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب مرحوم کامشن ”دعوت رجوع الی القرآن“، ہر باشمور مسلمان کامشن بن جانا چاہیے۔ (باتی صفحہ 82 پر)



# شرم و حیا: شعورِ ذات کا تقاضا

راحیل گوہر صدیقی<sup>®</sup>

تحقیق و تجربے سے یہ بات ثابت ہے کہ ہر فرد میں شعورِ ذات (Self-Realization) کی صلاحیت پیدائشی طور پر موجود ہوتی ہے۔ اسے انسانی زندگی کے رہنمای اصولوں کا ایک ایسا نظام یا وہ نیچ کہا جاسکتا ہے جو پیدائش کے وقت ہر فرد میں بالفتوہ موجود ہوتا ہے اور سازگار حالات میں تناور درخت بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ہر فرد فطری طور پر ان رہنمای اصولوں کی روشنی میں اپنی ذات کی نشوونما، فروغ اور استحکام کے لیے کوشش رہتا ہے۔ انسان کا ہر فعل خواہ اس کا تعلق جسمانی ضرورتوں کی تسلیم سے ہو یا کسی ذہنی عمل سے، انہی اصولوں کے حوالے سے سرانجام پاتا ہے۔

امریکی ماہرِ نفسیات کارل روجرز (Carl Ransom Rogers) کا خیال ہے کہ ہر فرد اپنی تمام تر صلاحیتوں کا اظہار، ان کی نشوونما اور تکمیل چاہتا ہے۔ جب فرد اپنی پیدائشی صلاحیت کو فروغ دے لیتا ہے تو وہ ایک بھرپور اور سخت مند شخصیت کا مالک بن جاتا ہے۔ روجرز کے مطابق چوں کہ ہر فرد بعض مخصوص حالات میں نشوونما پاتا ہے اور مخصوص تجربات سے گزرتا ہے لہذا شعورِ ذات کا عمل انہی حالات اور تجربات کی بنیاد پر سرانجام پاتا ہے۔ ایسی شخصیت کا مالک فرد اپنی ذات اور انفرادیت کو مکمل طور پر ختم کر دیتا ہے اور بے چون و چراوہ کی کچھ کرنا شروع کر دیتا ہے جو اس کے گرد و پیش میں لوگ کرتے ہیں۔ دراصل کسی بھی معاشرے میں لوگوں کی کثیر تعداد تقلیدی ذات ہن لے کر پیدا ہوتی ہے، اس لیے جو کچھ ان کے ارد گرد ہو رہا ہوتا ہے وہی کرنے لگتی ہے۔ تسلیم شدہ امور کو اسی طرح ماننا شروع کر دیا جاتا ہے۔ یہ عمل اس کی ذات پر کیا اثرات مرتب کرے گا، اس کا شعور اسے نہیں ہوتا۔ ماحول کا اثر اس کے فہم و فکر پر ایک وہندسی طاری کر دیتا ہے، جس طرح عینک کے شیشوں پر اگر نمی آجائے تو کچھ بھائی نہیں دیتا۔

بعض اوقات ہم قدرتی حادث کی وجہ سے اپنی کسی خواہش کی تسلیم سے قاصر رہ جاتے ہیں اور یوں مایوسی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ سیلاب، زلزلہ، طوفان یا آسمانی بجلی کے گرنے سے انسانی زندگی میں خلل، دکھ اور مایوسی پیدا ہوتی ہے۔ تا ہم ہماری زیادہ تر مایوسی یا خوبیت ایسی ہے جو انسانوں کے باہمی تعلقات کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ اسے ہم انسانی یا معاشرتی وجوہات کی بناء پر پیدا شدہ مایوسی کہیں گے۔ انسان کے انسان پر جبر سے پیدا شدہ خوبیت بھی نوع انسانی کے مقدار کا حصہ ہے۔

ایک اہم مسئلہ انسان کے اس ماحول کا بھی ہے جس میں وہ زندگی گزار رہا ہوتا ہے۔ اس میں داخلی و خارجی دونوں عوامل شامل ہوتے ہیں۔ داخلی عوامل میں گھر اور خاندان کی وہ تربیت ہے جو بچے کے اخلاق و کردار پر گہرا اثر ڈالتی ہے۔ عہد طفویلیت میں ہوئی اچھی یا بری تربیت انسان کی عمر کے آخری حصے تک اس کی ذات سے چمٹی رہتی ہے۔ عام طور سے بچے کی بری تربیت اس کے ساتھ بے جا لڑ پیار کا نتیجہ ہوتی ہے۔ بچے کی جائز اور بینا دی ضرورتوں کو پورا کرنا یقیناً والدین کا فرض ہے لیکن خواہش اور ضرورت میں فرق ہوتا ہے۔ خواہشات کی توکوئی حد ہی نہیں ہوتی۔ وہ تو نہ کسی کی پوری ہوئی ہیں اور نہ ہو سکتی ہیں۔ یہ ایک ایسا خیال ہے جو خام ہے!

اس دنیا میں انسانوں کے ساتھ پیش آنے والے خارجی معاملات اور اس کے بھیانک متاج نہایت تشویش ناک ہیں۔ یہی وہ گھیر مسائل ہیں جنہوں نے انسانی معاشرت سے اخلاق و اعلیٰ کردار کے جو ہر خالص کا جنازہ نکال دیا ہے۔ خاص طور پر آج کا مسلمان معاشرہ تو اس کے فریب زدہ گردا ب میں بھنس کرتا ہی کے دہانے پر پہنچ چکا ہے۔ باہمی حقوق کی حق تلفی، آپس کی رنجشیں جو اکثر قتل و غارت تک پہنچ جاتی ہیں، پر تعیش زندگی کے لیے جعل ساز یاں اور مکار یاں، نام نہاد غیرت کے نام پر لڑکوں اور لڑکیوں کا قتل، عصمت دری، کسی نبیکوں اور بچوں کو درندگی کا نشانہ بنانا، جیتے جائے گتے انسانوں کو معمولی باتوں پر جان سے مار دینا اور انہیں زندہ جلا دینا۔ یہ ایسے انسانیت سوز مظاہر ہیں جو معاشرے کا امن و سکون غارت کر دینے کا باعث ہیں۔

اقوامِ عالم نے اپنے معیار زندگی خود مرتب کر لیے ہیں اور رسولوں کی لائی ہوئی تعلیمات کو بالائے طاق رکھ دیا ہے۔ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ انسانی زندگی کے تمام گوشے واضح طور پر کتاب اللہ میں بیان کردیے گئے ہیں۔ ان کو عملی صورت دینے کے لیے اللہ سبحانہ مہنمہ **میثاق** (41) 2022ء

وتعالیٰ نے اپنے رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو دنیا میں معموث فرمایا تاکہ کوئی بندہ یہ نہ کہہ سکے کہ ہمیں تو علم ہی نہیں تھا کہ تیرے احکام کی تعیل کیسے کریں! ارشادِ ربانی ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لَعَنِ الَّذِينَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْأَخْرَى وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا﴾ (الاحزاب: ۲۳)

”بے شک رسول اللہ ﷺ میں تمہارے لیے نہایت عمدہ نمونہ ہے، ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور قیامت کے دن کی امید رکھتا ہو اور اللہ کو بہت یاد کرتا ہو۔“

عہدِ حاضر میں سب سے زیادہ گہری ضرب انسان کے اخلاق، اُس کی عصمت و پاکیزگی اور صاحبِ کردار پر لگائی گئی ہے۔ اخلاق کی رفت و عظمت کی دھیان بکھیری جا رہی ہیں۔ اس عمل فتح میں اپنے پرائے سب شریک ہیں اور قدم سے قدم ملا کر چل رہے ہیں۔ اس ”کار خیر“ میں میڈیا ہراول دستے کا کردار ادا کر رہا ہے۔ اخلاق و کردار کی پاکیزگی کو ملیا میٹ کرنے کا سکرپٹ اسلام دشمن طاقتوں کی طرف سے آتا ہے۔ انسان کے اخلاق و کردار کے بگاڑ اور نسلوں کی تباہی و بر بادی کی ایک بڑی وجہ شرم و حیا سے عاری میڈیا یا ہی ہے۔ یہ انسان کے اندر چھپی شیطنت کو ابھارنے اور اس کے نفس امارہ میں انتشار و یہجان پیدا کرنے میں بڑا کردار ادا کر رہا ہے۔ پرنسٹ اور خاص طور پر الیکٹرونک میڈیا اس وقت عالمی استعماری قوتوں کا آله کار بن چکا ہے۔ ہمارا ”اسلامی جمہوریہ پاکستان“ بھی اس یلغار کا شکار ہے۔ جس انداز سے میڈیا کے ذریعے عورت کی تزلیل کی جا رہی ہے وہ ایک اسلامی معاشرے کے لیے لمحہ فکر یہ ہے۔

کیبل اور اینٹرنیٹ نے ہماری غیرت کا جنازہ نکال دیا ہے۔ ٹلوی ڈراموں، فلموں، ناچ گانوں کے وہیات پر گرامز اور ان کے درمیان چلنے والے اشتہارات میں عورت کو نیم عریاں حالت میں دکھایا جاتا ہے۔ ایسی چیزوں کی تشویہ کی جاتی ہے کہ جس فیلمی کے افراد ایک ساتھ بیٹھ کر دیکھیں ہی نہیں سکتے۔ حد تو یہ ہے کہ مردانہ استعمال کی بھی کوئی شے (product) ایسی نہیں جس میں عورت جلوہ گرنہ ہو۔ بلیڈ، شیونگ کریم اور لوشن جیسی پروڈکس میں بھی کوئی نہ کوئی خوب رو عورت اپنی پوری حشر سامانیوں کے ساتھ نظر آتی ہے۔ اخلاقی گراوٹ میں لمحہ اس سارے کھیل میں ملٹی نیشنل کمپنیاں شامل ہیں۔

صنف نازک کو بطورِ جنس پیش کرنا نوجوان نسل میں جنسی یہجان ابھارنے کا ذریعہ بن رہا

ہے۔ عورتوں اور خاص طور پر کمسن بچیوں پر جنسی زیادتی کے واقعات میں روزافزوں اضافہ اسی ترغیب و تشویق کا منطقی نتیجہ ہے، جو مادر پدر آزاد میڈیا کی طرف سے دی جا رہی ہے۔

ابلاغ (communication) خواہ قلم و قرطاس کے ذریعہ سے ہو یا کیسرے اور سکرین کے توسط سے، اس کی حرمت اور تہذیب کے تقاضوں کو ملحوظ رکھنا ارباب بست و کشاد کی اہم ذمہ داری ہے۔ اس سے چشم پوشی کرنا مجرمانہ غفلت کے متراود ہے۔ قوموں اور خاص طور پر نونہالوں کے ذہنوں میں اخلاقی رنج روی اور حیوانانیت کے شہر خبیث کا فتح ڈال دینا کھلی شیطنت ہے جو فاشی، عریانیت، اعلیٰ انسانی قدروں کی پامالی خباشت و نجاست کو فروغ دے کر ایک صالح معاشرے کو کچھے کا ڈھیر بنا دیتی ہے۔ ایسے معاشروں سے امن و سکون ختم ہو جاتا ہے۔ پھر نہ کسی کی عزت محفوظ رہتی ہے نہ جان و مال۔

مغربی طاقتون نے دیگر اقوام کو پانگلام بنانے کی حکمت عملی (strategy) تبدیل کر دی ہے۔ عصرِ حاضر میں اقوامِ عالم، جن میں ترجیحاً امت مسلمہ ہے، کو اپنا حکوم بنانے اور ان پر اپنی تہذیب و ثقافت مسلط کرنے کے لیے جدید ذرائع ابلاغ کو ہر زاویے سے استعمال کیا جا رہا ہے۔ پرانٹ اور الیکٹرونک میڈیا پر اپنی گرفت مضبوط کر لی گئی ہے، کیوں کہ ذہنوں کو مسخر کرنے کے لیے یہ انتہائی مؤثر اور دو دھاری تواریکی مانند ہے۔

طاغوتی طاقتون کی پوری کوشش ہے کہ اسلامی معاشرے میں لا دینیت کا جال بچھایا جائے۔ اس عمل میں ان دانشوروں، مفکرین اور دینی اسکالرزوں کو بھی شامل کیا جائے جو اسلام کا ایک جدید ایڈیشن تیار کرنے کے خواہاں ہیں۔ وہ شرم و حیا سے عاری ایک روشن خیال نسل تیار کرنا چاہتے ہیں۔ اسلام دشمن قوموں نے اپنے ایجنسیز کے عملی شکل دینے کے لیے ہمارے اندر ہی سے مہرے ڈھونڈ لیے ہیں۔ ان مذموم ارادوں میں مسلمان ملکوں کی حکومتیں ان کی پشتی باں ہیں۔ جس کسی کی آنکھوں میں اسلام اور اس کی اقدار کا نئے کی طرح لکھتی ہیں وہی ان کا چھیتا ہے۔ بیشتر مسلمان حکمران مغرب کے دیے ہوئے ملکڑوں پر ہی تو پل رہے ہیں۔ ان کی شاہ خر چیاں اور عیاشیاں مغرب ہی کی عطا ہیں۔

وہ کون سی طاقت ہے جو اخلاقی نظام بدلتی رہتی ہے؟ کیا وجہ ہے کہ وہ اعمال جنہیں کسی ایک زمانہ یا جگہ میں اچھا سمجھا جاتا ہے، کسی دوسرے عہد یا مقام پر بُرے تصور کیے جاتے ہیں؟

ماہنامہ **میثاق** (43) دسمبر 2022ء

غالباً زندگی کی اقتصادی بنیادوں کی تبدیلی سے اخلاقی تصورات میں بھی تبدیلی آتی ہے۔ کبھی خاندان ایک اخلاقی اور اجتماعی مرکز تھا، اب اس کی یہ مرکزی حیثیت ختم ہو گئی ہے۔ صنعتی ترقی کے باعث خاندان اپنا سیاسی اور اقتصادی مقام کھو بیٹھا ہے۔ خاندانی وفا اور محبت کے سرچشمے خشک ہو رہے ہیں۔

بے حیائی کے نظارے تو برسوں سے ہمارے وطن عزیز میں نہ چاہتے ہوئے بھی دیکھنے کو مل ہی رہے تھے، حکومت کی طرف سے ایک حیا باختہ قانون ”فرانس جیبند رائکٹ“ بھی اسمبلی میں پاس کر لیا گیا۔ ختنی کے حقوق کی آڑ میں جنسی بے راہ روی اور ہم جنس پرستی کو فروغ دینے میں ایک اور سہولت مہیا کر دی گئی ہے۔ مرد سے مرد کا اختلاط (Gay) اور عورت کا عورت سے اختلاط (Lesbian) کا راستہ ہموار کر دیا گیا ہے۔ قوم کے دردمند افراد اور دینی جماعتیں ابھی بدنامِ زمانہ فرانس جیبند رائکٹ کے خلاف آواز اٹھا رہی تھیں کہ پاکستان میں LGBTQ+ کے غلیظ ایجینڈے کے نفاذ کے ضمن میں ایک اور قدم اٹھایا گیا ہے اور ہم جنس پرستی پر منی فلم ”جوائے لینڈ“ کی نمائش کے لیے سینر بورڈ نے اجازت دے دی ہے۔ یہ فلم دراصل قومِ الوٹ کے مجرمانہ فعل کی تشویہ کرتی اور ترغیب دیتی ہے۔

یہ عمل فتح ہے جس پر عمل کرنے والی قوم پر اللہ کا قہر و غضب نازل ہوا تھا۔ ان کی پیشائی سلب کر کے انہیں اندا کر دیا گیا۔ پھر انہیں زمین سے اوپر اٹھا کر دوبارہ زمین پر پنچا گیا، پھر ان پر آسمان سے پتھروں کی بارش کی گئی، اور آخر کار وہ بدجنت اور غلیظ قوم دنیا سے ملیا میٹ کر دی گئی۔ ان کے علاقے میں رواں دواں سمندران کی اس گھناؤ نے گناہ کے سبب مخدود کر دیا گیا، جو اب بحیرہ مردار (Dead Sea) کہلاتا ہے۔ یہ نہایت افسوسناک امر ہے کہ مسلمان حکمران کسی بڑے سے بڑے عذاب سے بھی کوئی سبق سیکھنا نہیں چاہتے۔ ان کی آنکھوں پر حرص و ہوس اور لاچ و مفاد پرستی کی ایسی پٹی بندھی ہوئی ہے جو انہیں کچھ اور دیکھنے ہی نہیں دیتی۔ ایسے ہی لوگوں کے لیے قرآن حکیم میں یہ تبصرہ کیا گیا ہے:

﴿وَلَقَدْ ذَرَنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْأُنْسِ لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ  
إِنَّهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبَصِّرُونَ إِنَّهَا وَلَهُمْ أَذْانٌ لَا يَسْمَعُونَ إِنَّهَا أُولَئِكَ  
كَمَا لَأَنْعَامٍ بَلْ هُمْ أَقْلَلُ أُولَئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ ﴾ (الاعراف) ۴۴﴾

”ان کے پاس دل بیس جن سے وہ بحثتے نہیں ان کے پاس آنکھیں ہیں جن وہ دیکھتے نہیں اور ان کے پاس کان بیس جن سے وہ سنتے نہیں۔ یہ وہ لوگ بیس جو چوپا یوں کی مانند ہیں بلکہ وہ ان سے بھی زیادہ بھٹکتے ہوئے۔ یہی لوگ بیس جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔“ اسی سورہ مبارکہ میں ایک اور مقام پر فرمایا گیا:

﴿قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رِبُّ الْفَوَاحِشِ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ﴾ (آیت ۳۳)

”کہہ دو کہ میرے پروردگار نے تو بے حیائی کے کاموں کو حرام قرار دیا ہے، چاہے وہ بے حیائی کھلی ہوئی ہو یا پچھلی ہوئی۔“

فواحش کی یہ کثرت اور مقبولیت شہوانی جذبات کے جس اشتغال کا نتیجہ ہیں وہ لثریچر، تصاویر، سینما، تھیٹر، رقص اور برہنگی و بے حیائی کے عام مظاہروں سے رونما ہوتا ہے۔ خود غرض سرمایہ داروں کا ایک پورا شکر ہے جو ہر ممکن تدبیر سے عوام کی شہوانی پیاس کو بھڑکانے میں لگا ہوا ہے، اور اس ذریعے سے اپنے کاروبار کو فروغ دے رہا ہے۔ اخبارات اور رسائلِ انتہا درجہ کے نیشنل مڈیا میں اور شرم ناک تصویریں شائع کرتے ہیں، کیوں کہ اشاعت بڑھانے کا یہ سب سے زیادہ موثر ذریعہ ہے۔ اس کے علاوہ صفحی مسائل پر حد درجہ ناپاک لثریچر پکنفلشوں اور کتابوں کی شکل میں بھی نکلتا رہتا ہے۔ جہاں بد اخلاقی، نفس پرستی اور لذاتِ جسمانی کی بندگی اس حد کو پہنچ چکی ہو، ایسی جگہ اُن تمام اسباب کا بروئے کار آ جانا ایک طبعی امر ہے جو کسی قوم کی ہلاکت کا موجب ہوتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ذہنی، علمی، سیاسی اور جدید رائے ابلاغ سے کما حقہ واقفیت کا نقدان اور اس سے بھی بڑھ کر دین سے دوری مسلمانوں کے اخلاقی زوال اور عکبت و ادبار کا اصل سبب ہے۔ اسلام ایک مکمل دستور حیات ہے، جس کی بے مثال تعلیمات میں انسان کے ہر مسئلے کا حل موجود ہے۔ اس کی تعلیمات میں مجرموں بکرداروں، ملک و قوم کے باغیوں، اخلاق و انسانیت کے دشمنوں، معاشرے میں عزت و عصمت اور پاکیزگی کی چادر تارتار کرنے والوں کی بخش کنی کا پورا نظام موجود ہے۔ ایک نیک اور صاحب معاشرے کے قیام کے لیے واضح ہدایات پیش کی گئی ہیں۔ بات صرف اپنا قبلہ درست کر لینے کی ہے۔ معاشرے کی صلاح و فلاح کے لیے اپنے اور اپنی نسلوں کے دشمنوں کو پہچان کر ان کے آله کار بننے سے کنارہ کشی اختیار کرنا ہوگی۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَن تُشْيِعَ الْفَحْشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا اللَّهُمَّ عَذَابٌ

**آلیم۰ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةٌ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ⑯** (النور)

”جو لوگ چاہتے ہیں کہ ایمان لانے والوں کے گروہوں میں فاشی پھیلے، وہ دنیا اور آخرت میں دردناک سزا کے مستحق ہیں۔ اور اللہ جانتا ہے تم نبیں جانتے۔“

اصلاح حال کے لیے کوئی ثابت اور نتیجہ خیز قدم اٹھانا ہماری قومی، نسلی، اخلاقی سلامتی و بقا کے لیے ازبس ضروری ہے۔ اس جانب قدم بڑھاتے ہوئے یہ حقیقت مختصر رہے کہ معاشرے میں پھیلتی کسی بھی برائی کو ختم کرنے اور معاشرے کو نفسی و سحر اکرنے کے لیے اجتماعی کوشش کی ضرورت ہوتی ہے۔ حالات اس طبقہ پر پہنچ چکے ہیں کہ اب ہمیں پورا معاشرہ نئے سرے سے تعمیر کرنا ہوگا، اور یہ کام اجتماعی طبقہ پر مضبوط اخلاقیات اور ضمیر کی طاقت کے بغیر ممکن نہیں۔ اگر ہر شخص صرف اپنے دروازے کی صفائی کو ہی مدنظر رکھے اور محلے میں پھینکے جانے والے کچرے کی فکر نہ کرے تو ایک دن پوری لگی اور محلہ غلاظت کا ڈھیر بن جائے گا جس کے لفzen اور مضر اثرات سے محلے کا کوئی فرد بھی نہیں بچ سکے گا۔ غلاظت اور برائی اتنی تیزی سے پھیلتی ہے کہ اس پر قابو پانا دشوار ہو جاتا ہے۔ سیالب کاریلا آنے سے پہلے بندہ باندھا جائے تو پانی تباہی پھیلادیتا ہے اور اپنی زد میں آنے والے کھیتوں، کھلیانوں، میدانوں کے ساتھ انسانوں کو بھی زندگی سے محروم کر دیتا ہے۔ زندگی کا حسن ہی یہ ہے کہ خود بھی مصالح و آلام، معاہب و رذائل سے بچیں اور دوسروں کو بھی اس سے محفوظ رکھنے کی امکانی حد تک جدوجہد کریں۔ یہی امر بالمعروف اور نبی عن المنکر کا فلسفہ ہے۔

## ماخذ

- (۱) شخصیت کی نشوونما، عبد الحمید
- (۲) پرده، سید ابوالاعلیٰ مودودی
- (۳) شخصیت کے نفیاتی تعلقات، لارنس ایف شیفر / مترجم ہلال احمد زبیری



قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور دعوت تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔



# نظر وں کی حفاظت

احمد علی محمودی

نظر کا فتنہ

دنیا میں آج تک رونما ہونے والے تمام فو احش و فجور کا اصل سبب نظر کا فتنہ ہے۔ اللہ رب العزت کان، آنکھ اور دل کے بارے میں بندے سے یقیناً سوال کریں گے۔ اس ضمن میں ارشاداتِ باری تعالیٰ ہیں:

﴿إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْتُوْلًا﴾ (۳)

(بني اسرائیل)

”بے شک یہ کان، آنکھیں اور دل، ان سب کے بارے میں روزِ قیامت سوال کیا جائے گا۔“

﴿حَتَّىٰ إِذَا مَا جَاءُوهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَأَبْصَارُهُمْ وَجُلُودُهُمْ بِهَا

كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ (۴) (نحو السجده)

”یہاں تک کہ جب بالکل جہنم کے پاس پہنچ جائیں گے تو ان کے کان اور آنکھیں اور ان کی کھالیں (یعنی دوسرے اعضا) ان کے خلاف ان کے اعمال کی شہادت دیں گی۔“

نیز ارشاد ہے:

﴿يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ﴾ (۱۶) (المؤمن)

”وہ آنکھوں کی خیانت کو جانتا ہے اور جو (باتیں) سینوں میں پوشیدہ ہیں (ان کو بھی)۔“

آیت بالا کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رض فرماتے ہیں: ”یہ وہ آدمی ہے جو لوگوں کے درمیان میں ہو اس کے پاس سے عورت گزرے، تو وہ لوگوں کو یہ دکھاتا ہے کہ اس کی نگاہیں نیچی ہیں اور وہ عورت کو دیکھنیں رہا ہے۔ جب وہ دیکھتا ہے کہ لوگ اس کی طرف متوجہ نہیں ہیں تو پھر عورت پر نظریں ڈالنے لگتا ہے۔ اگر اسے خدشہ ہوتا ہے کہ لوگ اس کی حرکت مانندہ میثاق

بجانپ جائیں گے تو اپنی نظروں کو جھکا دیتا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ اس کے دل کے بھید سے بخوبی واقف ہے کہ وہ آدمی نہ صرف عورت کو دیکھنا چاہتا ہے بلکہ اس کی خواہش تو اس کے مستور اعضاء بھی دیکھنے کی ہے۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

**كُتُبَ عَلَى ابْنِ آدَمَ نَصِيبِهِ مِنَ الزِّنَا مُدْرِكٌ ذَلِكَ لَا مُخَالَةٌ: الْعَيْنَانِ زِنَاهَا النَّظَرُ، وَالْأَذْنَانِ زِنَاهَا الْاسْتِمَاعُ، وَاللِّسَانُ زِنَاهُ الْكَلَامُ، وَالْيَدُ زِنَاهَا الْبَطْشُ، وَالرِّجْلُ زِنَاهَا الْخُطَّا، وَالْقَلْبُ يَهْوَى وَيَتَمَثِّنُ، وَيُصَدِّقُ ذَلِكَ الْفَرْجُ أَوْ يُكَذِّبُهُ)** ((متفق عليه، وهذا لفظ مسلم))

”ابن آدم کے لیے زنا میں سے اُس کا حصہ لکھ دیا گیا ہے جسے وہ لاحمالہ پالے گا۔ آنکھوں کا زنا (شہوت سے) دیکھنا ہے۔ زبان کا زنا (شہوت کی بات) بولنا ہے۔ کانوں کا زنا (شہوت کی بات) سنا ہے۔ ہاتھوں کا زنا (شہوت سے) تھامنا ہے اور پیروں کا زنا (شہوت کی ناجائز تکمیل کے لیے) چلتا ہے۔ دل خواہش، تمبا اور آرزو کرتا ہے۔ پھر شرم گاہ یا تو اس آرزو کی تصدیق کرتی ہے یا مکنڈیب۔“

ذکورہ بالا حدیث مبارکہ میں آپ ﷺ نے آنکھ کے زنا کا تذکرہ سب سے پہلے فرمایا، اس لیے کہ ہاتھ پیروں دل اور شرم گاہ سب کی اصل محرك آنکھ ہے۔

حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں میں نے نبی کریم ﷺ سے اچانک پڑ جانے والی نظر کے بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”اپنی نظروں کو پھیر دیا کرو۔“ اور ایک روایت میں اس طرح ہے: ”آپ ﷺ نے مجھے نگاہوں کے پھیرنے کا حکم دیا۔“ (صحیح مسلم) نگاہوں کو آزاد چھوڑنے کی تباہ کاری پر نبی کریم ﷺ نے باس طور متنبہ فرمایا: ”نگاہ شیطان کے تیروں میں سے زہر میں بجھا ہوا ایک تیر ہے۔“ (معجم الکبیر ۱۰۳۶۲: ) یعنی جیسے زہر میں بجھے تیر کا شکار نہ نہیں پاتا، اسی طرح نگاہ کا آوارہ استعمال کرنے والا گناہ میں پڑنے سے نہیں بچ سکتا۔

مشہور حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ”اے علی! پہلی نظر جو دفعنا کسی عورت پر پڑ جائے وہ تو معاف ہے، اور اگر تم نے نظر کو جماٹے رکھا یا دوبارہ نظر ڈالی تو اس کا وابال قیامت میں تم پر ہو گا۔“

نبی ﷺ نے نگاہوں کو پنجی رکھنے کے عمل کو راستے کے حقوق میں شامل فرمایا۔ صحیح مسلم میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”راستوں میں بیٹھنے سے پچو۔“ صحابہؓ نے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! راستے میں ہمارے بیٹھنے سے کیا فرق پڑتا ہے؟ ہم تو بیٹھے بیٹھے گفت و شنید کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اگر تم بیٹھنا ہی چاہتے ہو تو راستے کو اس کا حق دو۔“ صحابہؓ نے پوچھا: راستے کے کیا حقوق ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”نگاہوں کو جھکائے رکھنا، تکلیف دہ چیز کو ہٹانا، سلام کا جواب دینا، نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا۔“

## شرم و حیا کا پیکر بننے کا طریقہ

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُل لِّلَّهِ مُوْمِنُونَ يَغْضُبُوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ طَذِيلَكَ آزْكِي لَهُمْ طِإِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ ③﴾ (النور)

”مسلمان مردوں کو حکم دو کہ اپنی نگاہیں پنجی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزہ ہے۔ بے شک اللہ ان کے کاموں سے خبردار ہے۔“

سورۃ النور بطورِ خاصِ اسلامی معاشرے میں پرده، حجاب اور شرم و حیا کی ضرورت و اہمیت، اس کی خلاف ورزی کی مختلف صورتوں اور ان کے نگینے نتائج اور سزاویں کے بیان پر مشتمل ہے۔ موجودہ زمانے میں بے پردوگی، بے حیائی، ترک حجاب، نمائش لباس و بدن اور ناجائز زیب وزینت سے بھر پور ماحدول میں اس سورۃ مبارکہ کو سمجھ کر پڑھنے کی ضرورت بہت بڑھ جاتی ہے۔ اسی لیے حدیث مبارکہ میں حکم دیا گیا کہ ”اپنی عورتوں کو سورۃ النور سکھاؤ۔“ (مستدرک حاکم، ح: ۳۵۲۶)

اس آیت میں دوسرا حکم یہ ہے کہ ”اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں“، یعنی بد کاری اور حرام سے بچیں۔ اس کا ایک طریقہ تو ہی ”نگاہوں کو جھکانا“ ہے اور مزید یہ ہے کہ اپنی شرم گاہ اور ان سے متصل وہ تمام اعضاء جن کا چھپانا ضروری ہے، انہیں چھپائیں اور پردازے کا اہتمام رکھیں۔ ”نگاہیں پنجی رکھنا“ اور ”شم گاہ کی حفاظت کرنا“، گناہوں سے بچنے کا وہ عملہ و مفید ذریعہ ہے کہ خود رب العالمین اس کی افادیت کے متعلق فرماتا ہے: ﴿ذِيلَكَ آزْكِي لَهُمْ ط﴾ ”یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزہ ہے۔ یعنی نگاہیں پنجی رکھنا اور شرم گاہ کی حفاظت کرنا گناہ کی گندگی کے مقابلے میثاق

میں بہت پاکیزہ طریقہ ہے۔

ان سب باتوں کے علاوہ آیت کے اختتام پر گناہوں سے بچنے کے سب سے بنیادی اور مؤثر طریقے کی طرف بھی اشارہ فرمادیا کہ ”بے شک اللہ تعالیٰ ان کے کاموں سے خبردار ہے۔“ یعنی گناہوں سے بچنے میں یہ تصور بہت مفید ہے کہ ”اللہ عزوجل جمحے دیکھ رہا ہے۔“ حقیقت یہی ہے کہ اگر یہ ہمارے دل و دماغ میں مستحضر رہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے جملہ اعمال، نگاہوں کی خیانت اور دلوں کے پوشیدہ خیالات سے باخبر ہے تو تنہا یہی ایک تصور سب گناہوں سے بچانے کے لیے کافی ہے۔

اس بات سے کوئی مسلمان انکار نہیں کر سکتا کہ شرم و حیا اسلامی معاشرے کی بنیادی اقدار اور قرآن و سنت کے حکیمانہ احکام میں سے ہیں، اور اس امر کو بھی کوئی نہیں جھٹلا سکتا کہ بدکاری اپنی تمام تر صورتوں کے ساتھ حرام ہے، خواہ رضامندی سے ہو یا جریٰ پیسے کے بد لے میں ہو یا مفت۔ بے حیائی اور بدکاری انسان کے اخلاقی وجود کو رذالت میں ڈھال دیتی ہے۔ اُسے احسن تقویم (بہترین تخلیق) سے اسفل سافلین (سب سے نچلے درجے) میں جا گرتی ہے۔ دین اسلام کی خوب صورتی یہ ہے کہ جس چیز کو حرام قرار دیتا ہے، اُس سے بچنے کے طریقے بھی سکھاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَا تَقْرُبُوا الزِّنَى إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَيِّلًا﴾ (بنی اسرائیل) اور زنا کے قریب بھی مت جاؤ، یقیناً یہ بہت بے حیائی کا کام ہے اور بہت ہی برار استہ ہے۔ یعنی ہر اُس معاملے سے خود کو محفوظ فاصلے پر رکھو جو تمہیں زنا تک لے جانے یا پہنچانے کا سبب بن سکتا ہو۔ اسلام نے بدکاری اور بے حیائی کو حرام قرار دیا تو اس سے بچانے والے اسباب کے متعلق بھی ہدایات عطا فرمائیں۔ پردے کی تاکید، اجنبی مردوں عورت کا کسی بند جگہ تنہانہ ہونا، اجنبی مردوں عورت کا بلا ضرورت آپس میں کلام یا ملاقات نہ کرنا، عورتوں کا غیر مردوں کے سامنے بھڑکیے اور بے پر دگی کے لباس نہ پہننا، بلا ضرورت گھر سے باہر نہ نکلنا، جیسے احکام عطا فرمائے گئے۔ اس طرح کے احکام کو اصول فقہ کی زبان میں ”سدِ ذرائع“ (بڑائی کے اسباب ہی کو روک دینا) کہا جاتا ہے۔ اسی میں سے شرم و حیا کے متعلق ایک بنیادی حکم، ”نگاہوں کو جھپکا کر رکھنا“ ہے، جو سورۃ النور کی متنذکرہ بالا آیت میں دیا گیا ہے۔ اس آیت میں مسلمان مردوں کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنی نگاہیں پنجی رکھیں اور جس چیز کو دیکھنا جائز نہیں اُس پر نظر نہ ڈالیں۔

حضرت انس بن مالک کہتے ہیں: ”جب تمہارے پاس سے کوئی (غیر محرم) عورت گزرے تو تم اپنی نگاہوں کو نیچے کر لو یہاں تک کہ عورت تمہارے پاس سے گزرا جائے۔“ رفیع بن خیثم ایک مرتبہ راستے سے گزر رہے تھے تو ان کے پاس سے چند عورتیں گزریں۔ آپ نے اپنی نگاہوں کو جھکا دیا۔ عورتوں نے جب انہیں دیکھا تو سمجھنے لگیں کہ وہ نا بینا ہے، تو انہوں نے نا بینا آدمی کو دیکھ کر اندھے یہ میں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی۔

حکیم الامت امام محمد غزالی نے ”نگاہوں کی حفاظت“ پر ”سدِ ذراع“ کی روشنی میں بڑا

حکیمانہ کلام فرمایا ہے:

”نظر پنجی رکھنا دل کو پا کیزہ بناتا ہے اور نیکیوں میں اضافے کا ذریعہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر تم نظر پنجی نہ رکھو بلکہ اسے آزادی سے ہر چیز پر ڈالو تو بسا اوقات تم بے فائدہ اور افسوں بھی ادھر ادھر دیکھنا شروع کر دو گے اور رفتہ رفتہ تمہاری نظر حرام پر بھی پڑنا شروع ہو جائے گی۔ اب اگر جان بوجھ کر حرام پر (مثلاً نامحرم عورت یا خوبصورت مرد پر بھری خواہش سے) نظر ڈالو گے تو یہ بہت بڑا گناہ ہے اور عین ممکن ہے کہ تمہارا دل حرام نہ چیز پر فریقہ ہو جائے اور تم تباہی (گناہ) کا شکار ہو جاؤ۔ اور اگر اس طرف دیکھنا حرام نہ ہو بلکہ جائز ہو (جیسے لوگوں کے مہنگے لباس، موبائل، کار، مکانات کو دیکھنا) تو ہو سکتا ہے کہ تمہارا دل (آن میں) مشغل ہو جائے اور اس کی وجہ سے تمہارے دل میں طرح طرح کے وساوس آنا شروع ہو جائیں (کہ یا تو لوگوں پر وساوس آئیں کہ حرام کمائی سے سب بنایا ہو گا اور یا پھر خود ان کے حصول کی طلب میں خیالی پلاو پکاتے اور تڑپتے رہو گے) اور ان وساوس کا شکار ہو کرنیکیوں سے رہ جاؤ۔ لیکن اگر تم نے اس (حرام اور مباح) کی طرف دیکھا ہی نہیں تو ہر فتنے اور وسوسے سے محفوظ رہو گے اور اپنے اندر راحت و نشاط محسوس کرو گے۔“ (منہاج العابد سن، ص ۲۲)

## بدنظری سے بچنے کے فضائل و انعامات

حضرت ابو ہریرہ رض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل فرماتے ہیں:

((كُلُّ عَيْنٍ بَاكِيَةٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَّا عَيْنٌ عَصَتْ عَنْ مَحَارِمِ اللَّهِ وَعَيْنٌ سَهَرَتْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَعَيْنٌ خَرَجَ مِنْهَا مِثْلُ رَأْسِ الدَّبَابِ مِنْ حَشْيَةِ اللَّهِ)) (الترغيب والترهيب: ٢٩٢٥)

”ہر آنکھ قیامت کے دن رورہی ہوگی سوائے (تین آنکھوں کے ایک) وہ آنکھ جو اللہ کی حرام کردہ چیزوں (کو دیکھنے سے) جھکلی ہوگی اور (دوسرا) وہ آنکھ جو اللہ کے راستے میں (پہرہ دیتے ہوئے) جاگی ہوگی اور (تیسرا) وہ آنکھ جس سے کبھی کبھی کے سر کے برابر بھی (آنسو) اللہ کے خوف سے نکلا ہوگا۔“

ایک اور روایت میں ہے، بنی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلَہٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا:

((ثَلَاثَةٌ لَا تَرِى أَعْيُنُهُمُ النَّارُ: عَيْنٌ حَرَسَتْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، وَعَيْنٌ بَكَثُ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ، وَعَيْنٌ عَصَتْ عَنْ مَحَارِمِ اللَّهِ)) (طبرانی کبیر: ۲۱۶۹)  
 ”تین افراد ایسے ہیں (جو جہنم میں جانا تو درکار) ان کی آنکھیں جہنم کی آگ کو دیکھیں گی بھی نہیں: ایک وہ آنکھ جس نے اللہ کے راستے میں جاگ کر پہرہ دیا ہوگا، دوسرا وہ آنکھ جو اللہ کے خوف سے روکی ہوگی اور تیسرا وہ آنکھ جو اللہ کی حرام کردہ چیزوں (کو دیکھنے) سے جھکلی ہوگی۔“

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلَہٖ وَسَلَّمَ کا یہ ارشاد نقل فرماتے ہیں:

((اَضْمَنُوا لِي سِتًّا مِنْ اَنفُسِكُمْ اَضْمَنْ لَكُمُ الْجَنَّةَ: اَصْدُقُوا اِذَا حَدَّثْتُمْ، وَأَوْفُوا اِذَا وَعْدْتُمْ، وَادُّوا اِذَا اُؤْتِمْتُمْ، وَاحْفَظُوا فُرُوجَكُمْ، وَغُصُّوا اَبْصَارَكُمْ، وَكُفُّوا اِيْدِيْكُمْ)) (مستدرک حاکم: ۸۰۲۲)

”تم لوگ مجھے چھ باتوں کی ضمانت دیں تھیں جتنی کی ضمانت دیتا ہوں: جب بات کرو تو حق بولو، جب وعدہ کرو تو اسے پورا کرو، جب تمہارے پاس امانت رکھوائی جائے تو اسے (بحسن و خوبی) ادا کرو، اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرو، اپنی نگاہوں کو (حرام چیزوں کو دیکھنے سے) جھکاؤ اور اپنے ہاتھوں کو (حرام سے) روکے رکھو۔“

نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلَہٖ وَسَلَّمَ نے بدناگاہی سے بچنے اور نگاہ جھکالینے کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

((مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَتَظَرُّ إِلَى مَخَابِسِ امْرَأَةٍ أَوَّلَ مَرَّةً ثُمَّ يَغْضُضُ بَصَرَهُ إِلَّا أَخْدَثَ اللَّهُ لَهُ عِبَادَةً يَنْجُدُ حَلَاؤَهَا)) (مسند احمد، مشکوہ: ۲۷۰)

”کوئی مسلمان اگر کسی عورت کے محاسن پر اول مرتبہ نظر پڑتے ہی اپنی نظر پیچی کر لے تو اللہ تعالیٰ اسے ایک ایسی عبادت کی توفیق عطا فرماتے ہیں جس کی حلاوت اسے دل میں محسوس ہوتی ہے۔“

## غضِ بصر کے دس فائدے

- (۱) یہ اللہ کا حکم ہے اور جو انسان بھی فلاح پاتا ہے وہ اللہ کا حکم مان کر ہی پاتا ہے۔ جو ناکام ہوتا ہے وہ حکم الہی نہ ماننے کی وجہ سے ناکام ہوتا ہے۔
- (۲) نامحرم پر کی جانے والی نظر جو زہر آلوں تیر دل تک پہنچا کر اسے ہلاک کرتی ہے، آنکھ کی حفاظت سے وہ تیر دل تک نہیں پہنچے گا۔
- (۳) نظر کی حفاظت سے دل میں پوری توجہ سے اللہ کی محبت پیدا ہوتی ہے۔ جن لوگوں کی نگاہ آزاد اور آوارہ رہتی ہے، ان کا دل منتشر ہتا ہے۔ آزاد نگاہی بندے اور اللہ کے درمیان حائل ہو جاتی ہے۔
- (۴) آنکھ کی حفاظت سے دل مضبوط اور پُرسکون رہتا ہے جبکہ آزاد نگاہی یعنی ہر غلط چیز یا نامحرم کو دیکھ لینے سے دل مغموم رہتا ہے۔
- (۵) نگاہ ”پست“ رکھنے سے دل میں ”نور“ پیدا ہوتا ہے۔ یہ امر قابل غور ہے کہ سورۃ النور میں غضِ بصر کی آیت کے بعد ہی آیت نور وارد ہوئی ہے، کیونکہ دل میں نور نظروں کی حفاظت ہی سے داخل ہوتا ہے۔ جب دل نورانی ہو جائے تو ہر طرف سے خیر اور برکت اُس انسان کی طرف دوڑتی ہے اور جن کے دل میں تاریکی ہوان کو شر اور تکالیف کے بادل گھیرے رہتے ہیں۔
- (۶) اللہ کا اصول ہے کہ اس کے لیے جو کچھ چھوڑا جائے، وہ اس سے بہتر عطا کرے گا۔ وہ بصیرت دے گا، فہم و فراست کی نگاہ عطا کرے گا۔
- (۷) آزاد نگاہی سے انسان ڈیل ہوتا ہے۔ خود کو اپنے نفس کے قدموں میں ڈال کر آپ اپنی ذات بے تو قیر کر دیتا ہے۔ جو شخص نگاہ کی حفاظت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے لوگوں میں بھی عزت دیتا ہے اور فرشتوں میں بھی، دنیا میں بھی عزت دیتا ہے اور آخرت میں بھی۔
- (۸) نگاہ کے ذریعہ شیطان نہایت تیزی سے دل میں جا پہنچتا ہے۔ وہ امیدیں دلاتا ہے، توجیہات پیش کرتا ہے۔ پھر انسان گناہ کی آگ میں ایسے جلتا ہے جیسے کسی بکری کو تور کی آگ میں ڈال کر بھونا جائے۔ اسی لیے شہوت پرستوں کو قیامت کے دن آگ کے توروں میں ڈالا جائے گا۔

(۹) غضیں بصر سے دل کو قرآن پر غور و فکر کرنے کا موقع ملتا ہے۔ جن کی نگاہیں آوارہ ہوں، ان کے دل اتنے الجھے ہوئے ہوتے ہیں کہ قرآن پر غور و فکر کرنے کی سعادت ان کا مقدر نہیں ہو سکتی۔

(۱۰) انسان کے دل اور آنکھ کے درمیان ایک رابطہ (link) ہے۔ جس کام میں آنکھ مشغول ہو، اسی کام میں دل مشغول ہوتا ہے۔ ایک کی اصلاح سے دوسرے کی اصلاح ہوتی ہے اور ایک کے فساد سے دوسرے کا فساد ہوتا ہے۔ اس لیے اپنی نگاہ کو صاف رکھنا چاہیے۔

### حفاظتِ نظر کا ایک عجیب فائدہ

حضرت اقدس مولا نا شاہ حکیم محمد اخترؒ نے اپنے ملموظات میں حفاظت کا ایک عجیب فائدہ بیان فرمایا جو واقعی لاجواب ہے:

”میرے دوست نے بتایا کہ ایک فرانسیسی جوڑا ہوٹل میں بیٹھا ہوا تھا۔ انہوں نے تقریر کی کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے نظر کی حفاظت کا حکم دیا ہے، اس کے فائدے یہ ہیں کہ شوہر کے دل میں بیوی کی محبت بس جاتی ہے۔ جب غیروں کو نہیں دیکھتا تو اس کی نظر کا تمام مرکز اس کی بیوی ہوتی ہے۔ اس لیے بیوی سے محبت بڑھ جاتی ہے، تو بیوی بھی خوش رہتی ہے اور شوہر بھی خوش رہتا ہے۔ اس کے برعکس یورپ میں ترقی معمکوس ہے یعنی اٹی ترقی۔ اللہ کے غصب اور تہرواںی ترقی ہے۔ ان کی ہر بیوی ہر وقت غائب رہتی ہے۔ شوہرن اگر کسی عورت سے مسکرا کر بات کر لی تو عورت جل کے خاک ہو جاتی ہے دل ترپ جاتا ہے کہ ہائے معلوم ہوتا ہے کہ ظالم اس عورت سے پھنسا ہوا ہے اور اگر عورت نے کسی مرد سے ہنس کر بات کر لی اور ہاتھ ملا لیا تو شوہر صاحب کی نیند حرام ہو جاتی ہے، سمجھتے ہیں کہ دال میں کچھ کالا ہے۔ غرض سارا یورپ آج عذاب میں بنتا ہے۔

اس کے بعد اس دوست نے کہا کہ زیادہ نہیں صرف تین دن تم کسی نامحرم کو نہ دیکھو اپنی بیوی کو دیکھو اور عورت صرف اپنے شوہر کو دیکھے۔ صرف تین دن قرآن کی آیت: ﴿يَغْضُوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ﴾ (النور: ۳۰) پر عمل کرو کہ اے ایمان والو! اپنی نگاہوں کو پنچی کرو۔ نامحرم عورتوں کو کسی کی ماں بہن بیٹی کو مت دیکھو۔ کسی کی بیوی کو مت دیکھو۔ اس کے بعد تم محسوس کرو گے کہ تمہیں اپنی بیوی کو دیکھنے میں اور تمہاری بیوی کو تمہیں

دیکھنے میں کتنا مرا آتا ہے، کیونکہ شبہات ختم ہو جائیں گے۔ یوں زندگی خوش گوار ہو جائے گی۔ اس فرائیسی عورت نے داڑھی والے دوست کا شکر یہ ادا کیا کہ ہم بات بالکل سمجھ گئے کہ واقعی بدنظری کی وجہ سے سارا یورپ عذاب میں بتلا ہے۔“

## بُری عادات ترک کرنے کا طریقہ

گناہ چھوڑنے کے لیے عزم و ہمت ضروری ہے۔ اس لیے انسان اولاً تو سابقہ گناہوں پر سچے دل سے ندامت کے ساتھ تو بہ واستغفار کرے، آئندہ گناہ نہ کرنے کا پختہ عزم کرے، تو بہ پر استقامت مانگے، اور گناہ سے بچنے کے اسباب اختیار کرے۔ مثلاً اگر تہائی کے گناہ ہیں تو اپنے آپ کو تہائی سے بچائے، بُری صحبت سے بچے، نیک صحبت اختیار کرے، (ہوسکے تو کسی متین شریعت عالم سے اصلاحی تعلق قائم کر لے) کثرت سے روزے رکھے، گناہ ہو جانے کی صورت میں اپنے نفس کو ایسے اعمال صالح اختیار کر کے سزا دے جو اس پر بھاری گزریں۔ مثلاً دس بیس رکعتاں نوافل پڑھے، ایک دو وقت کا فاقہ کرے، کچھ زیادہ رقم صدقہ کرے اور ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے مسلسل دعا بھی کرتا رہے تو امید ہے کہ گناہوں سے بچ جائے گا۔

## بے حیائی سے بچنے کی دعا

بے حیائی ایک ایسی بیماری ہے جس کی وجہ سے پورا معاشرہ پستی و زوال سے دوچار ہو جاتا ہے۔ اس کی انہازنا ہے جو قیچی ترین گناہ ہے، بے حیائی کے کاموں سے اجتناب کرتے رہیں اور ہمیشہ تصور آخرت ذہن و دل میں جمائے رکھیں کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ صحابہ کرام و اہل بیت عظام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سیرت اور سلف صالحین کی زندگیوں کا مطالعہ کریں۔ اس آیت کریمہ کو بطور ورد پڑھتے رہیں: ﴿وَلَا تَقْرِبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا يَبْطَلُ﴾ (الانعام: ١٥١) ”اور بے حیائی کے کاموں کے قریب مت جاؤ خواہ وہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ۔“ اس قرآنی دعا کو بھی اپنا معمول بنائیں:

﴿رَبِّ أَعُوذُ بِكَ مِنْ هَمَزَتِ الشَّيْطَنِيْنِ ۚ وَأَعُوذُ بِكَ رَبِّ أَنْ يَخْضُرُونِ ۚ﴾ (۹۶)

(المؤمنون)

”اے میرے رب! میں تیری پناہ میں آتا ہوں شیاطین کی چھوت سے۔ اور اے میرے رب! میں تیری پناہ طلب کرتا ہوں اس سے کوہ میرے پاس آئیں۔“

## بدنظری کا علاج

شیخ خالد الجبیر کہتے ہیں کہ میرا ایک جانے والا سمجھدار انسان تھا، لیکن وہ عورتوں کو بڑی عجیب اور برقی نظروں سے دیکھتا تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ میرے پاس اللہ کے حکم سے اس بیماری کا سو فیصد مکمل علاج ہے۔ کہنے لگا: کیا واقعی میں اس گناہ سے نجات پاسکوں گا؟ میں نے کہا: جی ہاں! سنو! تم اس بات کا ارادہ کر لو کہ جتنی دفعہ بھی بد نظری کا شکار ہو گے، اتنی دفعہ وضو کر کے دور کعات نماز پڑھو گے۔ کہنے لگا: یہ تو بہت زیادہ ہے۔ ہر دفعہ دور کعات ادا کرنا بہت مشکل کام ہے۔ میں نے کہا: جنت چاہیے یا جہنم؟ کہنے لگا: اللہ کی قسم! مجھے تو جنت چاہیے۔ میں نے کہا: بس پھر صرف ہر بد نظری پر دور کعات ادا کرنے کا ارادہ کراؤ اللہ کی قسم شیطان خود تمہاری نظروں کو نیچے رکھے گا، کیونکہ اُس کے نزدیک اللہ کو سجدہ کرنا بد نظری سے کہیں زیادہ بھاری ہے۔ صرف دور کعات ادا کرنے سے اللہ تمہاری مدد فرمائے گا۔ کہنے لگا: اچھا ٹھیک ہے۔

پھر میں نے ایک ماہ بعد اس سے بات کی اور پوچھا: اب بتاؤ! کیسرا ہا علاج؟ ہنسنے ہوئے کہنے لگا: اللہ کی قسم ڈاکٹر صاحب! پہلے ہفتے دس دفعہ دور کعات ادا کیں، دوسرا ہفتے ۵ دفعہ تیسرے ہفتے ۲ دفعہ اور چوتھے ہفتے ایک دفعہ۔ واللہ یا شیخ! اب تو ایسا ہو گیا ہے کہ میں کسی غیر عورت کی طرف برقی نظر سے دیکھوں تو لگتا ہے جیسے کوئی مجھے بد نظری سے منع کر رہا ہے۔

## بد نظری کی قباحت اور اس کے نقصانات

بد نظری ایسا چور دروازہ ہے کہ عام طور پر برائی کی ابتداء بیبیں سے ہوتی ہے اور اسی بد احتیاطی کی وجہ سے زندگی بھر کی نیک نامیوں پر بٹھ لگ جاتا ہے۔ اس بدترین گناہ کی سنگینی کو محسوس کرتے ہوئے اسلامی شریعت نے اولاً بد نظری کے ہر دروازے کو بند کرنے پر نہایت زور دیا ہے۔ بد نظری ہی فواحش کا دروازہ ہے اور برائیوں پر بند اسی وقت ممکن ہے جبکہ بد نظری پر روک لگائی جائے۔ جب تک نظر محفوظ نہ ہو، شرم گاہ کی حفاظت کی گارنٹی نہیں لی جاسکتی۔ حضرت ابو امامہ رض حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖہ وَسَلَّمَ کا ارشاد نقل کرتے ہیں، آپ صلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖہ وَسَلَّمَ نے فرمایا:

((لَتَغْصُنَّ أَبْصَارَكُمْ وَلَتَخْفَطُنَّ فُرُوجَكُمْ أَوْلَى يَكُسِفَنَّ اللَّهُ وَجْهَكُمْ))

(رواہ الطبرانی)

”تم لوگ ضرور اپنی نگاہوں کو نیچی رکھا کرو اور اپنی شرم گاہوں کی ضرور حفاظت کیا کرو“

وَرَدَ اللَّهُ تَعَالَىٰ ضَرُورَتَهُارَےٰ چِرُوں کُوبے رُونق کر دے گا۔“

مذکورہ روایت میں بد نظری اور شرم گاہ کی حفاظت کے حکم کے ساتھ یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ اگر زنگاہ کی حفاظت نہ کی گئی اور شرم گاہ کو حرام کاری سے نہ بچایا گیا تو اللہ تعالیٰ چروں کی رونق کو ختم کر دے گا۔ یعنی اس برے عمل پر آخرت میں جو سزا مرتب ہو گی وہ تو الگ ہے، دنیا میں اس کا برا اثر یوں ظاہر ہو گا کہ ایسے شخص کے چہرے سے رونق جاتی رہے گی اور اس کے چہرے پر خوست شکنے لگے گی۔

ایک روایت میں نبی اکرم ﷺ نے بد نظری کرنے والے اور جو بد نظری کی دعوت دے دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔ حضرت حسن بصریؓ سے مرسلا روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَعْنَ اللَّهُ الظَّالِمُ وَالْمُنْظُورُ إِلَيْهِ)) (مشکوٰۃ المصابیح: ۲۷)

”بد نظری کرنے والے اور جس کی طرف بد نظری کی جائے دونوں پر اللہ کی لعنت ہو۔“

منظور الیہ یعنی جس کی طرف دیکھا جا رہا ہے وہ اس وجہ سے لعنت کا مستحق ہے کہ وہ اپنی چال ڈھال، ناز وادا اور لباس کی آرائش وزینت سے دوسرے کو دعوت نظارہ دیتا ہے۔ بھی وجہ ہے کہ حدیث شریف میں اس کو بھی لعنت کا مستحق قرار دیا گیا۔

موجودہ زمانہ میں بد نظری کی وبا آخری حد تک پہنچ چکی ہے۔ ایک عظیم سیاہ ہے جو تھمنے کا نام نہیں لیتا۔ ہر جگہ فخش مناظر عام ہو گئے ہیں۔ بازار، شاپنگ مالز، دکانیں، سڑکیں، چوراہے، مکانات کی دیواریں حتیٰ کہ روزمرہ کے استعمال کی چیزیں بھی فخش تصاویر سے آراستہ ہو گئی ہیں۔ اخبارات و رسائل اور سوشن میڈیا بھی اس کی زد سے بچ نہیں سکے ہیں، جس کی وجہ سے آج کل ایک شریف اور دین دار آدمی کا اخبارات پڑھنا، ٹیلی و ویژن دیکھنا، موبائل استعمال کرنا راستوں میں چلنا، بازاروں میں جانا، بہت دشوار ہو گیا ہے۔ اس پرستم یہ کہ اس وبا اور سیاہ پر بندگانے کی فکر کی جائے ہر کوئی اپنی دنیا پہنانے کی غرض سے فخش تصاویر اور عربیاں پوسٹر آؤزیں اکر کے اس برائی کو بڑھاوا دے رہا ہے۔ فواحش کی کثرت کا برائیتیجہ یہ ہوا کہ آج کل نہ چاہتے ہوئے بھی بہت سے افراد بد نظری میں بتلایا ہو جاتے ہیں جو بعد میں بڑے گناہوں کا سبب بنتی ہے۔ پھر اس گناہ کو بلکہ سمجھنا اور اس پر جسمے رہنا اور بھی زیادہ مضر ہے۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ اپنے وعظ میں ارشاد فرماتے ہیں:

”بذرگاہی ایسا گناہ ہے کہ بہت سے لوگ اس کو گناہ سمجھتے ہی نہیں۔ ایسا ہی سمجھتے ہیں جیسے کسی اچھے مکان کو دیکھ لیا۔ اس گناہ کے بعد دل پر رنج کا اثر بھی نہیں ہوتا اور یہ ایسا گناہ ہے کہ اس سے جوان تو جوان بوڑھے بھی بچے ہوئے نہیں ہیں۔ بدکاری کے لیے تو، بہت سی مذاہیر کرنی پڑتی ہیں، پیسہ بھی پاس ہو و سرا بھی راضی ہو وغیرہ، مگر اس گناہ (بدنظری) کو کرنے میں کسی سامان کی ضرورت نہیں، اور نہ اس میں کچھ بدنامی ہے چونکہ اس کی خبر تو صرف اللہ تعالیٰ کو ہے کہ کیسی نیت ہے! کسی کو گھور لیا تو پھر بھی صوفی صاحب صوفی ہی رہے، حاجی صاحب حاجی ہی رہے، پیر صاحب پیر ہی رہے، مولوی صاحب مولوی ہی رہے، قاری صاحب قاری ہی رہے۔ اس گھونٹنے سے صوفی صاحب کے صوفی ہونے میں کوئی فرق نہ آیا، حاجی صاحب کے حاجی ہونے میں فرق نہ آیا، پیر صاحب کے پیر ہونے میں فرق نہ آیا، مولوی صاحب کے مولوی ہونے میں فرق نہ آیا، نہ قاری صاحب کے قاری ہونے میں کوئی فرق آیا۔ اس گناہ کی کسی دوسرے کو خبر ہی نہیں ہوتی۔ پھر بذرگاہی میں ایک بڑی خرابی یہ بھی ہے جو کسی اور گناہ میں نہیں کہ اور گناہ تواہیے ہیں کہ جب ان کو خوب دل بھر کے کرچکے تو پھر دل ان سے بہت جاتا ہے، مگر بذرگاہی ایسی بری چیز ہے کہ جتنی بذرگاہی کرتا ہے اتنی ہی خواہش بڑھتی جاتی ہے۔“

بدنظری کے نقصان کا اندازہ حضرت شاہ عبدالغنی بن عثیمینؓ کے اس قول سے ہوتا ہے:

”ہرے بھرے درخت کے پاس آگ جلا دو تو اس کے تروتازہ پتے مر جھا جاتے ہیں اور دوبارہ بہت مشکل سے ہرے ہوتے ہیں۔ سال بھر کھاد پانی دو، تب کہیں جا کر ہرے ہوتے ہیں۔ اسی طرح ذکرِ عبادت اور صحبت اہل اللہ سے جوانوارات قلب میں پیدا ہوتے ہیں اگر ایک بار بدنظری کر لی تو باطن کا سیلان اس ہو جاتا ہے۔ دوبارہ ایمانی حلاوت اور ذکر کے انوارات بحال ہونے میں بہت وقت لگتا ہے۔ بذرگاہی کی ظلمت بہت مشکل سے دور ہوتی ہے۔ بہت توہہ استغفار، گریہ وزاری اور بار بار حفاظت نظر کے اہتمام سے کہیں قلب کو دوبارہ ایمان کی حیات ملتی ہے۔“

حضرت جنید بغدادیؓ سے پوچھا گیا: زگا ہوں کی حفاظت کا کیا علاج ہے؟ فرمایا: ”یہ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کی نظر تمہاری نظر سے بہت تیز ہے۔“

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کی تصنیف ”بدنظری کا علاج“، اس سلسلہ کی ایک بہترین کتاب ہے۔ اس کا مطالعہ کیا جائے تو ان شاء اللہ بہت فائدہ ہوگا۔ حضرت حکیم الامت مہمنامہ میثاق ————— (58) ————— دسمبر 2022ء

مولانا اشرف علی تھانوی کی یہ بات توڑ ہن اور دل پر اچھی طرح نقش کر لینی چاہیے کہ امورِ اختیار یہ کا علاج بجز ارادہ اور ہمت کے کچھ نہیں۔ پس تقاضا کے وقت ہمت کر کے نفس کو روکنا ہی اس کا بہترین علاج ہے۔ پھر دھیرے دھیرے تقاضا کی قوت کمزور ہو جائے گی اور ان شاء اللہ اس مصیبت سے نجات مل جائے گی۔

## بدنگاہی کے جسم پر اثرات

نگاہیں جس جگہ جاتی ہیں وہیں جمعتی ہیں۔ پھر ان کا اچھا اور بر اثر اعصاب و دماغ اور ہمار موز پر پڑتا ہے۔ کسی پر شہوت کی نگاہ ڈالنے سے ہمار موز کے نظام میں خرابی پیدا ہو جاتی ہے۔ ایسی نگاہوں کا اثر زہریلی رطوبت کے اخراج کا باعث بتتا ہے جس سے آدمی بے شمار امراض میں متلا ہو جاتا ہے۔ کچھ لوگ سوچتے ہیں کہ دیکھنے سے کیا ہوتا ہے؟ صرف دیکھا ہی تو ہے۔ یہ کون ساغلط کام کیا ہے؟ کیا ہم نے بھی یہ سوچا ہے کہ اچانک اگر شیر یا سانپ سامنے آ جائے تو انہیں صرف دیکھنے سے انسانی جان پر کیا بُختی ہے؟ سبزہ اور پھول دیکھے جاتے ہیں تو دل مسرور اور مطمئن کیوں ہوتا ہے؟ کسی زخمی اور لہو لہان کو صرف دیکھتے ہی تو ہیں لیکن پھر پریشان، غمگین اور بعض بے ہوش تک ہو جاتے ہیں! آخر کیوں؟ طبی تحقیق سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ نگاہوں کی حفاظت نہ کرنے سے انسان ڈپریشن، بے چیزی اور ما یوسی کا شکار ہو جاتا ہے، جس کا علاج ناممکن ہے، کیونکہ نگاہیں انسان کے خیالات اور جذبات کو منتشر کرتی ہیں۔ ایسی خطرناک حالت سے بچنے کے لیے صرف اور صرف اسلامی تعلیمات ہی کا سہارا لینا پڑتا ہے۔

بعض لوگوں کے تجربات بتاتے ہیں کہ صرف تین دن نگاہوں کو شہوانی محركات، خوبصورت چہروں اور عمارتوں میں لگائیں تو جسم میں درد بے چیزی، تکان، دماغ بوجھل بوجھل اور جسم کے عضلات کھینچ جاتے ہیں۔ اگر اس کیفیت کو دور کرنے کے لیے سکون آور ادوبیات استعمال کی جائیں تو ان کا اثر کچھ وقت کے لیے تو ہوتا ہے، پھر وہی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ اس کا علاج نگاہوں کی حفاظت ہی ہے۔ مردوں اور عورتوں کو عفت اور پاک دامنی حاصل کرنے کے لیے اپنی نظروں کو جھکا کر رکھنا چاہیے۔ آج بے شرمی اور بے حیائی اس قدر عام ہو گئی ہے کہ نظروں کو محفوظ رکھنا بہت ہی مشکل کام ہے۔ اس سے بچنے کے لیے ظاہری و عملی شکل تو یہی ہے جو قرآن نے ہمیں بتائی کہ چلتے پھرتے اپنی نگاہوں کو پست (جھکا کر) رکھیں اور دل کے اندر اللہ کا خوف

ہو کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ جس قدر اللہ تعالیٰ کا خوف زیادہ ہو گا، اتنا ہی حرام چیزوں سے بچنا آسان ہو گا۔

## بدنظری کے طبی نقصانات

بدنظری سے کئی امراض پیدا ہوتے ہیں۔ بدنظری چاہے ایک سینڈ کی ہو، دل کو ضعف ہو جاتا ہے۔ فوراً کشکش شروع ہو جاتی ہے۔ انسان کبھی ادھر دیکھتا ہے تو کبھی ادھر دیکھ رہا ہے کہ کوئی موجود نہیں۔ اس کشکش سے قلب میں ضعف پیدا ہوتا ہے۔ گندے خیالات سے مٹانے کے غدوں متور ہو جاتے ہیں، جس سے بار بار پیشاب آنے لگتا ہے۔ پیشاب سے پہلے یا بعد میں رطوبتوں کے اخراج کا معاملہ ہو جاتا ہے اور انسان کو گویا ”جسمانی دیک“ کی بیماریاں لگ جاتی ہیں، جن کی تعداد مرد اور عورت دونوں میں ہی آج کل بہت زیادہ ہے۔ ان سب معاملات سے اعصاب ڈھیلے ہو جاتے ہیں، جس سے دماغ کمزور اور نیyan پیدا ہو جاتا ہے۔ ہر عصیان (برائی) کا سبب نیyan ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ہر نافرمانی سے قوتِ دماغ اور حافظہ کمزور ہو جاتا ہے۔ بھول کی بیماری پیدا ہو جاتی ہے اور ایسے انسان کا علم بھی ضائع ہو جاتا ہے۔ پھر گردے کمزور ہوتے ہیں اور بدنگاہی کی بدعاویت میں سارے اعصاب کمزور ہو جاتے ہیں۔ جب کہیں زلزلہ آتا ہے تو عمارت کمزور ہو جاتی ہے۔ گناہ بھی نفس و شیطان کی طرف سے ایک زلزلہ ہی ہوتا ہے۔ اگر اچانک نظر پڑی اور فوراً ہٹالی تو بھی دل میں جھنکا سالگتا ہے مگر گناہ کرنے کی سوچ اور بری نظر سے بار بار یا مسلسل دیکھتے رہنے پر زلزلے کی صورت لعنت برستی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ذہنی اور دلی بے سکونی کی صورت میں عذاب کے جھنکے لگتے ہیں !!!

علامہ اقبال فرماتے ہیں: ۔

دل سوز سے خالی ہے نگہ پاک نہیں ہے  
پھر اس میں عجب کیا کہ ٹو بے باک نہیں ہے!  
اللہ تعالیٰ ہمیں قلبِ منیب اور فہمِ سلیم عطا فرمایا کہ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین!



# اللہ تعالیٰ کی توحید سے گریز کیوں؟

پروفیسر محمد یونس جنوبی

توحید باری تعالیٰ انسانی فطرت کا جزو لایفک ہے لیکن اکثریت اس کا ادراک نہیں رکھتی۔ انسان کا ہر روز کا مشاہدہ ہے کہ لوگ فوت ہوتے ہیں۔ نہ صرف انسان بلکہ ہر چیز کو فنا ہے۔ کائنات کی ہر چیز نیست ہو جاتی ہے۔ کسی کی عمر تھوڑی ہوتی ہے کسی کی زیادہ، مگر فنا ہر کسی کو ہے۔ چاند سورج بھی اجرام ہیں۔ عقل سلیم کو تسلیم ہے کہ یہ بھی ایک دن فنا ہو جائیں گے۔ کچھ بے عقولوں نے ان کی لمبی عمر سے دھوکا کھا کر انہیں ربِ مان لیا ہے، حالانکہ جس طرح کائنات کی ہر چیز فانی ہے سورج چاند بھی ایک دن ختم ہو جائیں گے۔ وہ اپنی عمر پوری کر رہے ہیں۔ وہ کسی طرح کا اختیار نہیں رکھتے۔ اگر کوئی شخص ان سے کوئی حاجت چاہے تو وہ پوری نہیں کر سکتے۔ محض کسی مالک کا حکم مان رہے ہیں، ان کو اختیار نہیں کہ طلوع و غروب کے مقرر کردہ اوقات سے لمحہ بھر کی کمی بیشی کر سکیں۔

اگر ان حلقَ پر غور کریں تو بادنی تامل یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ساری کائنات کا کوئی ایک مالک ہے جو اس قدر با اختیار ہے کہ ہر شے اُس کے حکم کی پابند ہے۔ اس پابندی سے کوئی مستثنی نہیں۔ جانداروں کو فنا ہوتا ہم دیکھتے ہیں۔ اسی طرح نباتات اور درخت اپنی عمر پوری کر کے سوکھ جاتے ہیں۔ پیاڑوں میں بھی شکست و ریخت ہوتی رہتی ہے زمین کے تثیر و تبدل عیان ہیں۔ آسمان جوں کا توں کھڑا ہے، اگر با اختیار ہوتا تو اس میں تبدیلی ہوتی نظر آتی۔ اسی پر قیاس کیا جاسکتا ہے کہ کائنات کی ہر چھوٹی بڑی شے ایک دن تباہ ہو جائے گی۔ صرف وہ ہستی باقی رہ جائے گی جس کو بقا ہے۔ وہ ہستی جس نے کائنات کو بنایا اور چلایا ہے وہ ایک ہی ہے۔ وہی خدا ہے۔ وہ اکیلا ہے، اُس کا کوئی شریک نہیں اور نہ ہی ہو سکتا ہے۔ ایک سے زیادہ مالک تسلیم کرنا تو بدیکی طور پر ناممکن ہے۔ اگر دو یا زیادہ با اختیار مالک ہوں تو یہ کائنات ایک گھڑی بھی قائم ہاں نامہ میثاق ————— (61) ————— دسمبر 2022ء

نہیں رہ سکتی۔ اس حقیقت پر معمولی ساغور کرنا بھی تو حید کی سچائی کو ثابت کرتا ہے۔

دنیا کے لوگ مختلف مذاہب کو ماننے والے ہیں۔ انسانوں کی کثیر تعداد عقل کے استعمال کو شجر ممنوعہ سمجھتی ہے، حالانکہ اس کی اہمیت سے کسی کو انکار نہیں۔ عام طور پر انسان اپنے سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کے عقائد کو بلاسوچ سمجھے مان لیتا ہے، خواہ عقل انسانی معمولی غور سے اس کا انکار کرتی ہو۔ یہاں تک کہ بعض سائنسی حفاظت جو انسان کے تجربے میں آچکے ہیں اس کا بھی نہیں مانا جاتا۔ مثلاً اب تک کچھ لوگ زمین کا گول ہونا تسلیم نہیں کرتے، کیونکہ ان کے اسلاف زمین کو مُسَطّح (چٹی) کہہ چکے ہیں۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ زمین ساکن ہے اور سورج اس کے گرد گھومتا ہے۔ اسی طرح ہاتھ سے بنائے ہوئے بت بھی با اختیار مانے جاتے ہیں۔ حالانکہ نہ وہ حرکت کر سکتے ہیں، نہ بول سکتے ہیں، نہ سن سکتے ہیں۔ انسانوں کا یہ حال ہے کہ ان بتوں کے سامنے طرح طرح کے کھانے بھی رکھتے ہیں، حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ کچھ کھا نہیں سکتے۔ عقل سے کام نہ لینا تو حید کو نہ ماننے میں ایک بڑی رکاوٹ ہے۔ دنیاوی معاملات میں ہم قدم قدم پر عقل کی روشنی میں کام کرتے ہیں۔ چھوٹے اور بڑے، سچ اور جھوٹ، اچھے اور بُرے میں تمیز عقل ہی سے کی جاتی ہے۔ ایسے میں ربِ کائنات کے بارے میں عقل سے کام نہ لینا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ یہ طرز فکر انسان کو حقیقت سے دور رکھتا ہے۔

مسلمان اگر چہ دین تو حید کے حامل تو ہیں مگر ان میں اکثر فہم تو حید میں ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں۔ انسانوں، جنوں اور فرشتوں کو با اختیار مان کر ان کے سامنے اپنی حاجات پیش کرتے ہیں، حالانکہ وہ سب بے اختیار ہیں اور اللہ کی مخلوق ہیں۔ مسلمان خود دیکھ رہا ہے کہ جن انسانوں کو وہ با اختیار سمجھتا ہے وہ بھی فوت ہو جاتے ہیں اور انہیں مٹی میں دفن کر دیا جاتا ہے۔ پھر با اختیار کون ہے؟ وہی جو حی و قیوم ہے، جو سمیع و بصیر ہے، جو موت و حیات کا مالک ہے۔ وہ سب کی اولاد دیتا ہے۔ وہ نیک و بد صاحب و بد کردار، مسلمان اور غیر مسلم سب کا رب ہے۔ وہ سب کی سنتا ہے، سب کو دیکھتا ہے۔ اس نے انسان کی سرنشست میں اچھائی اور برائی کی تمیز رکھ دی ہے۔ اچھے کاموں پر اجر اور بُرے کاموں پر سزا دینے کا بتا دیا ہے۔ کوئی شخص اس کی گرفت سے باہر نہیں۔ زندگی اور موت اس کا بڑا ثبوت ہے۔ نہ کوئی عام شخص زندہ رہانے کوئی پیغمبر۔ بس وہی میثاق ————— (62) ————— دسمبر 2022ء

ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اسی بدیہی حقیقت کو تسلیم کرنا تو حید ہے۔  
تو حید کے عقیدے سے وہ لوگ بھی دور رہتے ہیں جو کسی غلط ماحول میں پروش پاتے  
ہیں۔ یہودی کے گھر پیدا ہونے والا یہودی ہوتا ہے اور عیسایوں کے گھر پیدا ہونے والے  
عیسایٰ ہوتے ہیں۔ ماں باپ اور شہزاداروں کی باتوں کو بلا سوچے سمجھے تسلیم کرنا انہیں حق سے  
دور رکھتا ہے۔ کتنے ہی غیر مسلم ہیں جو اسلام کی حقانیت کو مانتے ہیں، مگر اپنے ماحول کی گرفت  
سے آزاد نہیں ہو سکتے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک بچہ بڑا ہو کر جب تحقیق کرتا ہے تو سچائی تک پہنچ  
جاتا ہے، یعنی ایک خدا کو مان لیتا ہے مگر اپنے آبائی ماحول کا اثر اس پر اس قدر ہوتا ہے کہ وہ بچی  
بات بر مل انہیں کہہ سکتا۔ مخالفت کے خوف سے وہ آنکھیں بند کر کے عقل و شعور میں آنے والے  
یقین کو رد کر دیتا ہے۔ سچائی یقیناً کڑوی ہوتی ہے۔ ماحول کی مطابقت آسان ہوتی ہے۔ پانی  
کے بہاؤ کے ساتھ بہنا تو آسان ہوتا ہے مگر اس کے مخالف جانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ سچ تک  
وہی انسان پہنچ سکتا ہے جو سوچے سمجھے اور تحقیق کرے، کسی شخصیت سے خواخواہ متاثر نہ ہو۔  
سچائی تک پہنچنے کے لیے ماحول کی گرفت سے آزاد ہونا اور سمجھے سے کام لینا بہت ضروری ہے۔  
انسان ہمیشہ سے دیکھتا چلا آ رہا ہے کہ ملک میں بادشاہ ایک ہوتا ہے، لوگ اس کی رعایا  
ہوتے ہیں۔ اس کی بڑی شان و شوکت ہوتی ہے۔ وہ سلطنت کا مالک ہوتا ہے۔ بادشاہ عوام کی  
نظر وہ سے دور عالمی شان محلوں میں رہتا ہے۔ اس کے کچھ وزیر، مشیر اور مقریبین ہوتے ہیں جو  
اس کے حکم کے مطابق اُس کی سلطنت کا نظام چلاتے ہیں۔ بادشاہ ان کی سفارش پر کسی کو  
انعام دیتا ہے اور کسی کو مزرا۔ سفارش کرنے والے مجرموں کو بے گناہ ثابت کر کے مزا سے بچا  
لیتے ہیں اور کبھی ذاتی ذمہ کی بنا پر بے گناہ کو مزرا کا مستحق بنادیتے ہیں۔ جس کا تعلق کسی وزیر  
مشیر سے ہوتا ہے وہ دوسروں پر رعب جنماتا ہے اور انہیں ڈر ادھر کا کر اپنے کام کرتا ہے۔  
بادشاہ خود اصل صورتِ حال سے واقف نہیں ہوتا، اس لیے اپنے مقربین کی بات کو ہی سچ سمجھتا  
ہے اور اسی کے مطابق حکم جاری کرتا ہے۔

ہر دور میں انسانوں کے ایک بڑے گروہ نے اپنے مشاہدے کی بنا پر یہ گمان کر لیا کہ اللہ  
تعالیٰ بھی کائنات کا کچھ اسی طرح کا حکمران ہے جس نے ارض و سما کا انتظام چلانے کے لیے  
ماہنامہ **میثاق** ————— (63) ————— دسمبر 2022ء

کچھ مددگار کئے ہوئے ہیں جن پر وہ اعتماد کرتا ہے۔ اسی یقین کی بنی پر عالم لوگ ان با اثر لوگوں کی خوشامد کرتے اور ان کی خدمت کرتے ہیں تاکہ وہ اللہ تعالیٰ سے سفارش کر کے ان کے کام کروالیں۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ ایک بے مثل ہستی ہے۔ اس کو دنیا کے حکمران کی طرح سمجھنا بے عقلی اور اس کی عظمت سے ناواقفیت ہے۔ اللہ تعالیٰ تو ہر شخص کے نہ صرف عمل سے واقف ہے بلکہ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ اس نے کس نیت سے یہ کام کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے مشیر وزیر نہیں ہیں۔ اُس کے سامنے تمام مخلوقات بے اختیار ہیں۔ فرشتے اُس کی عبادت میں لگے ہوئے ہیں۔ دنیا میں عام مومنین ہوں یا بڑے عبادت گزارو، وہ احکامِ الٰہی کی پابندی میں ہی خیر سمجھتے ہیں۔ خود کو اللہ کا بندہ سمجھ کر اُس کی رضا چاہتے اور اُس سے مغفرت طلب کرتے ہیں۔ ہر طرح سے اُس کے محتاج ہیں۔ رب العالمین کا طرز حکومت اور کار و بار جہاں بانی انسان کے طرزِ حکمرانی سے قطعاً مختلف ہے، کیونکہ اُس کی ذات بے مثل اور بے مثال ہے۔ وہ ہر عیب سے پاک اور منزہ ہے۔ انسان اپنے جیسے جن انسانوں کو با اختیار سمجھتا ہے ایک دن وہ اپنی زندگی پوری کر کے موت کی آغوش میں چلے جاتے ہیں جبکہ خالق کائنات ازل سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ جب ساری کائنات فنا ہو جائے گی وہ پوری شان اور اختیار کے ساتھ زندہ رہے گا۔

تجب ہے ان مسلمانوں پر جو اللہ تعالیٰ کو بے مثل توانستے ہیں اور ﴿وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ كُفُوا أَحَدٌ﴾ (الاخلاص) پر یقین بھی رکھتے ہیں، لیکن پھر بھی اپنے پسندیدہ اشخاص کو با اختیار مانتے اور حاجت رواجانتے ہیں۔ ان کے سامنے دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے ہیں۔ افسوس کہ جن لوگوں کو اپنے ہاتھوں دفن کرتے ہیں، ان سے حاجتیں طلب کرتے ہیں۔ شریعت نے ہمیں ہر گز یہ نہیں بتایا کہ فوت شدہ لوگ زندہ لوگوں کے کام آسکتے ہیں، ان سے اپنی حاجات مانگی جائیں، بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ فوت شدہ لوگ زندہ لوگوں کی دعاؤں کے محتاج ہوتے ہیں۔ گویا زندہ لوگ مژده لوگوں سے کچھ مانگنے کی بجائے ان کے لیے بخشش اور رفع درجات کی دعا کریں اور خود قرآن و حدیث کے مطابق زندگی بسر کرنے کی جدوجہد کرتے رہیں۔



# سُود: ایک سنگین گناہ

حافظ محمد اسد

مال اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے اور انسان کی ضروریات زندگی کو پورا کرنے میں معاون و مددگار بھی ہے۔ جہاں اللہ نے حصول رزقِ حلال کو عین عبادت قرار دیا ہے، وہیں اس مال کا حق ادا کرنے اور اس کے حاصل کرنے کے ذرائع بھی متعین فرمائے ہیں۔ انسان محنت مزدوری کر کے جب اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتا ہے تو اس کو صدقہ کرنے کا ثواب بطور اعزاز عطا کیا جاتا ہے۔ یہ اللہ کی خاص عنایت اور اس کا کرم ہے۔ اکثر حصول معاش کی فکر میں انسان اللہ کی بندگی سے غافل اور آخرت میں جواب دی کی فکر سے آزاد ہو کر ہمہ وقت اسی غم و فکر میں گھلتا رہتا ہے کہ کہیں سے بھی مال ہاتھ آجائے۔ نتیجتاً اس کو حلال و حرام کی تیزی باقی نہیں رہتی۔ وہ جو چاہے کرتا چلا جاتا ہے اور یہ بھول جاتا ہے کہ بالآخر اس کو اللہ کے سامنے پیش بھی ہونا ہے۔ ابو بزرگ اسلامی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا تَرُوْلُنَّ قَدَمًا عَبْدٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتَّىٰ يُسْأَلَ عَنْ عُمُرِهِ فِيمَا أَفْنَاهُ؟ وَعَنْ عِلْمِهِ فِيمَا فَعَلَ فِيهِ؟ وَعَنْ مَا لِهِ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ؟ وَفِيمَا أَنْفَقَهُ؟ وَعَنْ جَسْمِهِ فِيمَا أَبْلَاهُ؟)) (رواه الترمذی والدارمی)

”قیامت کے دن کسی بندے کے دونوں پاؤں اپنی جگہ سے ہٹ نہیں سکیں گے یہاں تک کہ اس سے یہ نہ پوچھ لیا جائے: اُس کی عمر کے بارے میں کہ اسے کن کاموں میں ختم کیا؟ اور اس کے علم کے بارے میں کہ اس پر کیا عمل کیا؟ اور اس کے مال کے بارے میں کہ اسے کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا؟ اور اس کے جسم کے بارے میں کہ اسے کہاں کھپایا؟“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مال کے بارے میں سوال کیا جائے گا کہ کس ذریعے سے کمایا اور کس جگہ خرچ کیا؟ یعنی حلال و طیب رزق کو خرچ بھی حلال جگہ پر ہی کرنا ہے۔ افسوس کہ ماہنامہ میثاق (65) ڈسمبر 2022ء

آج مال کی محبت اور دنیا کی عارضی زیب و زینت کی کشش ہمارے اذہان و قلوب پر اس قدر چھا چکی ہے کہ ہم اس امر کا خیال ہی نہیں رکھتے کہ جائز کاروبار کر رہے ہیں یا ناجائز! اس پر مستردادیہ کا کثریت کو یہ بھی علم نہیں ہے کہ جس نظام کے اندر ہم سانس لے رہے ہیں یہ سود کے گرد و غبار سے بھی پاک نہیں ہے۔ اس کی خبر صادق و مصدق و ق آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ اس انداز میں دی ہے:

((لَيَأْتِيَنَّ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَبْقَى مِنْهُمْ أَحَدٌ إِلَّا أَكَلَ الرِّبَا، فَمَنْ لَمْ يَأْكُلْ أَصَابَهُ مِنْ غُبَارِهِ)) (رواه ابن ماجہ)

”لوگوں پر ایک زمانہ ضرور ایسا آئے گا کہ ان میں سے کوئی بھی سود سے نفع سکے گا، اور کوئی شخص سود خوری سے نفع بھی گایا تو بھی سود کے دھوکیں اور غبار سے نہیں فیض سکے گا۔“

اس حدیث کے تناظر میں ہم اگر موجودہ صورتِ حال کا تجزیہ کریں تو واضح ہوتا ہے کہ تقریباً پورا تجارتی نظام سود پر مختصر ہو چکا ہے۔ سودی نظام کی زنجیر نے عالمی معیشت کو اس طرح جکڑ رکھا ہے کہ کسی کا حلال مال بھی پورے طور پر سود کے دھوکیں اور غبار سے محفوظ نہیں ہے۔

سود خور محنت کی ناقد ری جب کہ سرمائے کی برتری جلتا تا ہے۔ اپنا سرمایہ لگا کر محنت سے بھی چراتا ہے۔ سرمایہ دار کو سود کی وجہ سے کبھی نقصان کا اندیشہ نہیں ہوتا۔ انسانی محنت اگر ضائع بھی ہو جائے تب بھی سرمایہ دار اپنا سود چھوڑ نے کو تیار نہیں ہوتا۔ یہ صورتِ حال عقل، منطق، اخلاقیات ہر اعتبار سے غیر منصفانہ ہے۔

تہذیب و تمدن کا قتل بھی اس سودی نظام کا مر ہون مفت ہے۔ سودی نظام بظاہر معاشی تعمیر و ترقی کا ذریعہ ہے لیکن اس کا عملی اطلاق دراصل انسانیت پر سرمائے کی فوکیت تسلیم کرنے کی صورت میں ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ موجودہ تہذیب میں شرافت، ہمدردی، رزقِ حلال اور انسانیت کی قدر گرتی جا رہی ہے جبکہ لاچ، حرص، لوٹ کھسوٹ اور فراڈ مؤثر اور تو انا جذبے بننے جا رہے ہیں۔ اکثر اوقات سودی قرض لینے والے کی تمام کمائی، وسائل، یہاں تک کہ گھر اور اس میں موجود ضروریاتِ زندگی پر بھی قبضہ کر لیا جاتا ہے۔ صورتِ حال اس سینگھنی کو بھی پہنچ جاتی ہے کہ انسان خود کشی یا بھوک سے بلبلاتے بچوں کو اپنے ہاتھوں قتل کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ خواہ کوئی ضرورت مند بیماری، بھوک سے کراہ رہا ہو یا بے روزگار اپنی زندگی سے بیزار ہو، سود خور کی شقاوات و سنگدلی کا یہ عالم ہوتا ہے کہ اسے صرف اپنے نفع سے غرض ہوتی ہے۔

دوسرے کی کمائی پر اجارہ داری قائم ہو جاتی ہے اور سود خور مخفض مال کے بل بوتے پر بغیر کسی محنت و مشقت کے دوسروں کی کمائی کے ایک معین حصے میں شریک ہو جاتا ہے۔ اس کا سرمایہ نہ صرف محفوظ بلکہ بڑھتا رہتا ہے جب کہ مقرض کو ملنے والا فرع بھی بعض اوقات طویل مدت میں سود کی ادائیگی کی نذر ہو جاتا ہے۔ خود غرضی و مقاد پرستی سود خور کا ایمان بن جاتا ہے اور وہ انتہائی خود غرضی سے صرف اپنے منافع پر نظر رکھتا ہے۔ اگر کبھی کساد بازاری کا اندیشہ ہوتا ہے تو فوراً اپنا روپیہ کھینچ لیتا ہے۔

مہنگائی میں اضافہ سودی نظام کا لازمی نتیجہ ہے۔ اشیاء کی قیمت کا تعین کرتے وقت دیگر اخراجات کے ساتھ سود کی ادائیگی کو بھی شامل کیا جاتا ہے جس سے اشیاء کی مجموعی قیمت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اگر خام مال فراہم کرنے والے اشیاء تیار کرنے والے مارکیٹ میں فراہم کرنے والے اور فروخت کرنے والے سب ہی سودی قرضوں پر کام کر رہے ہوں تو اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ہر سطح پر سود کی وجہ سے کسی شے کی قیمت میں کس قدر اضافہ ہو گا۔

سود کے خاتمے کے بغیر بے روزگاری کا خاتمہ ممکن نہیں۔ سود کسی معاشرے کی صلاحیت کا رکوب بری طرح متاثر کرتا ہے۔ اس کی وجہ سے کم سے کم افرادی قوت کو زیادہ سے زیادہ منافع کے حصول کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جس سے بے روزگاری جنم لیتی ہے۔ سرمایہ دار چھوٹے کاروبار کے لیے قرض دینے پر راضی نہیں ہوتا۔

حکومت کے اخراجات کا بڑھ جانا بھی سود کی خباثت ہی کا نتیجہ ہے۔ سرمایہ دار طبقہ حکومتوں کو باور کرتا ہے کہ لوگوں کو روزگار مہیا کرنے اور ان کی قوت خرید بڑھانے کے لیے حکومت کو اپنے اخراجات اپنی آمدنی سے زیادہ رکھنے چاہئیں۔ دنیا کی پیشتر حکومتیں سرمایہ داروں کے اس جاں میں گرفتار ہیں۔ اس طرح بجٹ میں خسارے کی تلاش کے لیے انہی سرمایہ داروں سے مزید سودی قرضے لیے جاتے ہیں، جن کا بوجھ بھی بالآخر عوام کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔

ظالمانہ نیکسوس کا بوجھ بھی ہمارے سامنے ہے۔ حکومت وسائل کی کمی کو پورا کرنے کی خاطر مختلف نوعیت کے نیکس عائد کرتی ہے۔ ان کے ذریعے وسائل کا حصول نسبتاً آسان ہوتا ہے۔

بے بسی کا یہ عالم ہے کہ ماہرین معاشیات موجودہ معاشی تباہ کاریوں کا علاج اور حل پیش کرنے سے قاصر ہیں، کیونکہ وہ خود سودی نظام ہی کی پیداوار ہیں۔ چونکہ سود کو دور کرنا انہیں منظور ہاں نامہ میثاق (67) ڈسمبر 2022ء

نہیں، اس لیے ٹھوکروں پر ٹھوکریں کھاتے چلتے جاتے ہیں۔ ان کے تجویز کردہ تمام علاج گرفتی اور بے روزگاری بڑھانے والے ہیں۔ عصر حاضر کے معاشی مسائل کے سامنے ماہرین معاشیات کی یہ بے بُسی قابلِ رحم بھی ہے اور عبرتناک بھی۔

بقول شاہ ولی اللہ محدث دہلوی<sup>ؒ</sup>، دولت کی غیر منصفانہ تقسیم ایک دودھاری تلوار کی طرح انسانوں کا استھان کرتی ہے۔ اس سے انسانوں کی دنیا و آخرت دونوں ہی بر باد ہو جاتی ہیں۔ سرمایہ داروں کا طبقہ مالی حرام پر عیش تو کرتا ہے لیکن روحاںی سکون سے محروم ہو جاتا ہے، کیونکہ یادِ خدا اور فکر آخترت سے غافل رہتا ہے۔ ایک حدیث نبویؐ کے مطابق حرام کماںی سے پلنے والا جسم جہنم ہی میں جانے کا حق دار ہے (مندرجہ)۔ غریب کو ضروریات زندگی کی فکر ہر وقت ستائے رکھتی ہے جو اسے آخرت کی تیاری سے بھی بیگانہ رکھتی ہے۔ بلکہ ایک حدیث نبویؐ کی رو سے فقر و افلاس انسان کو کفر تک پہنچا سکتا ہے۔ حالات کی بہتری کے لیے ذیل میں کچھ تجاویز پیش خدمت ہیں:

(۱) اگر کوئی شخص بینک سے قرض لینے یا جمع شدہ رقم پر سود کو جائز قرار دے تو علماء کے موقف کو سامنے رکھ کر اس سے بچیں۔

(۲) اس بات کو اچھی طرح ذہن میں رکھیں کہ قرآن و حدیث میں سود کو بہت بڑا گناہ قرار دیا گیا ہے۔ شراب نوشی، خزیر کھانے اور زنا کاری کے لیے قرآن کریم میں وہ الفاظ استعمال نہیں کیے گئے جو سود کے لیے استعمال ہوئے ہیں۔

(۳) جس نبی مکرم ﷺ کے امتی ہونے پر ہم فخر کرتے ہیں، انہوں نے سود لینے اور دینے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔ نیز شہنشہ و ایلی چیزوں سے بھی بچنے کی تعلیم دی ہے۔

(۴) دنیاوی ضرورتوں کو بینک سے قرضہ لیے بغیر پورا کریں۔ کچھ دشواریاں پر بیشانیاں آئیں تو اس پر صبر کریں۔

(۵) بینک میں جمع رقم پر آپ کو جو ”منافع“ مل رہا ہے، اس کو خود استعمال کیے بغیر رفاهی کاموں میں لگادیں۔ ایسے غرباء و مسَاکین یا یتیم بچوں میں بانٹ دیں جو کمانے سے عاجز ہیں۔

(۶) اگر سود سے بچنے کی واقعی کوئی شکل نہیں ہے، تو اپنی وسعت کے مطابق اس سے چھٹکارا پانے کی فکر رکھیں اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے رہیں۔



# سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ

تحریر: ارسلان اللہ خان

قرآن مجید فرقان حمید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قُلْ لَا إِسْكَنْدُرُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوْدَةُ فِي الْقُرْبَىٰ﴾ (الشوری: ۲۳) (اے نبی ﷺ) آپ کہہ دیجیے کہ میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا سوائے قرابت داری کے لحاظ کے۔

ساقیِ زم ساقیِ حریم، سیدنا حضرت عباس رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چھاتھے۔ آپ کا نام عباس اور کنیت آپ کے دوسرے بیٹے فضل کی نسبت سے ”ابو الفضل“ ہے۔ آپ کی زوجہ امّ الفضل بنت ابی ذئب بھی بہت نیک سیرت خاتون تھیں۔ بعض روایات میں ہے کہ حضرت خدیجہ بنت خوبی کے بعد امّ الفضل ہی وہ دوسری خاتون تھیں جو اسلام کے سایہ عافیت میں آئیں۔ آپ کے تین صاحبزادے تھے۔ سب سے بڑے بیٹے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فقیر امت کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کے تیسرے بیٹے کا نام عبد اللہ تھا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا قد بہت طویل تھا۔ آپ کے صاحبزادے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ آپ کے کندھے تک آتے تھے۔ آپ نہایت درجے کے سخنی تھے۔ مجرم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی توسعی کے وقت آپ نے اپنا مکان بلا معاوضہ پیش کر دیا۔

”اسد الغاہ“ میں درج ہے کہ بچپن میں ایک روز حضرت عباس رضی اللہ عنہ کم ہو گئے۔ آپ کی والدہ ماجدہ حضرت اُلطیلہ شفیع شدید پریشان ہو گئیں اور یہ منت مانی: ”یا اللہ! میرا بیٹا عباس مجھے مل جائے تو میں تیرے گھر (خانہ کعبہ) پر ریشمی غلاف چڑھاؤں گی۔“ چنانچہ جب نہیں عباس مل گئے تو حضرت اُلطیلہ نے کعبہ شریف پر پہلی مرتبہ دیباچ اور ریشمی کپڑے کا غلاف چڑھایا۔ واضح رہے کہ خانہ کعبہ پر پہلی مرتبہ پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے کم و بیش ڈیڑھ ماہنامہ میثاق (69) ڈسمبر 2022ء

سو سال قبل حمیری تہذیب کے علمبردار اور یمن کے بادشاہ مجنع نے غلاف چڑھایا تھا۔ دوسری مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دُنیا میں تشریف آوری سے کم و بیش نوے سال قبل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جداً امجد حضرت قصی بن کلاب نے غلاف چڑھایا تھا۔ لیکن کبھے پریشی غلاف پہلی مرتبہ حضرت عباسؓ کی والدہ حضرت نطیلہؓ ہی نے چڑھایا۔

زمانہ جاہلیت میں حضرت عباسؓ کا شمار عرب کے رو سامیں ہوتا تھا۔ آپ ایک کامیاب تاجر تھے اور یمن اور دوسرے علاقوں میں تجارت کرتے تھے۔ طائف میں آپ کا ایک باغ تھا۔ سقا یہ یعنی حاجیوں کو پانی پلانا اور رفادہ یعنی حاجیوں کو کھانا کھلانا حضرت عباسؓ کی ذمہ داری تھی۔ حاجیوں کے لیے زم زم کا بہترین انتظام کرنے کی وجہ سے عرب کے لوگ آپ کو ”ساقیِ زم زم“ کہتے تھے۔ اسی طرح قبیلے والے آپ کو ”ذوالزارے“، یعنی بہترین رائے والے کہتے تھے اور اپنے معاملات میں آپ سے رائے لیتے تھے۔ آپ طبعاً فیاض اور سخنی تھے۔ آپؓ کے دستخوان سے بہت سے لوگ استفادہ کرتے تھے۔ اسی طرح آپؓ نے قبیلے میں روٹی، کپڑا اور مکان کی ذمہ داری اپنے سرلی ہوئی تھی۔ روایات میں ملتا ہے کہ حضرت عباسؓ نے اگرچہ اونٹل اسلام میں ہی دل سے حق قبول کر لیا تھا اور آپ کی زوجہ امّ افضلؓ بھی ایمان لے آئی تھیں لیکن مصلحت خاموشی اختیار کی اور در پرده اسلام کی ہر ممکن خیر خواہی فرماتے تھے۔

غزوہ بدر میں حضرت عباسؓ کونہ چاہتے ہوئے بھی گفار کے ہمراہ مسلمانوں سے لڑنا پڑا۔ یہاں تک کہ آپ دیگر شر قیدیوں میں سے ایک تھے۔ اتفاق سے حضرت عباسؓ کو سختی سے باندھ دیا گیا جس کے باعث تکلیف سے کراہنے لگے۔ ان کی تکلیف کی آواز سن کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بہت بے چین ہو گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند اچاٹ ہو گئی۔ صحابہؓ نے حضرت عباسؓ کی رتی ڈھلی کر دی تو وہ سو گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ”اب عباسؓ خاموش کیوں ہو گئے؟“ جب بتایا گیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ سب قیدیوں کی رتیاں ڈھلی کر دی جائیں۔ بعض روایات کے مطابق جب بدر کے قیدیوں سے فدیہ لیا جانے لگا تو حضرت عباسؓ نے کہا کہ میرے پاس فدیے کی رقم نہیں ہے۔ اس پر مخبر صادق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپؓ نے اپنی زوجہ امّ افضلؓ کے پاس جو رقم رکھوائی تھی.....؟ حضرت عباسؓ نے کہا کہ اس رقم کے بارے میں تو میرے اور امّ افضلؓ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا تھا۔ چنانچہ وہ سمجھ مانہنامہ میثاق ————— (70) ————— دسمبر 2022ء

گئے کہ رسول اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖہ سَلَّمَ کے سچے نبی ہیں اور انہوں نے اُسی وقت اسلام قبول کر لیا۔ البتہ آپ نے کھلم کھلا اسلام قبول کرنے کا اعلان فتح مکہ سے پچھے عرصہ قبل کیا۔

حضرت عباسؑ کو حضرت محمد مصطفیٰ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖہ سَلَّمَ سے حد درجے عشق تھا۔ غزوہ خیبر کے بعد آپ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور فرمایا: ”یا رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖہ سَلَّمَ! میں نے آپ کے لیے ایک نعمت لکھی ہے، اگر اجازت ہو تو پیش کروں۔“ حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖہ سَلَّمَ نے فرمایا: ”عباس کہیے! اللہ تعالیٰ آپ کا منہ سلامت رکھے۔“ آپ نے ایک طویل نعمت کی۔ فارسی کے معروف شاعر حضرت عبدالرحمن جامیؓ نے اپنے ایک شعر میں اسی نعمت کا مضمون نہایت خوش اسلوبی سے سمجھا ہے:

اگر نامِ محمد (صلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖہ سَلَّمَ) را نیاوردے شفیع آدم

نہ آدم یافتے تو بہ نہ نوح از غرق نجیبا

”اگر حضرت محمد صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖہ سَلَّمَ کے نام کو حضرت آدم علیہ السلام شفیع نہ بناتے تو نہ آدم توبہ کو پاتے اور نہ ہی حضرت نوح علیہ السلام غرقابی سے نجات پاتے۔“

حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖہ سَلَّمَ یہ کہہ کر آپ کو بلاتے تھے: ”میرے باپ حضرت عباسؑ کو بلاو۔“

حضرت عباسؑ حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖہ سَلَّمَ سے دو سال بڑے تھے اور احترام مصطفیٰ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖہ سَلَّمَ دیکھیے کہ جب کسی نے پوچھا کہ آپ غیر میں بڑے ہیں یا حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖہ سَلَّمَ؟ تو آپ نے جواب دیا: ”بڑے تو حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖہ سَلَّمَ ہیں، ہاں میں دو سال قبل پیدا ہو گیا تھا۔“ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کی ولادت عام افیل سے دو سال قبل (مکہ مکرہ میں) ہوئی تھی۔

نبی اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖہ سَلَّمَ کی نگاہ میں ان کا مقام دیکھیں کہ بیعت عقبہ ثانیہ کے وقت مدینہ سے آنے والے اسی نفوس ایک گھانی میں حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖہ سَلَّمَ سے ملے۔ پیارے آقا صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖہ سَلَّمَ نے پورے مکہ سے حضرت عباسؑ کو اس ملاقات کے لیے چنا۔ آپ نے اُس وقت مدینہ کے مسلمانوں سے جو خطاب کیا وہ سیرت رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖہ سَلَّمَ کا نہایت اہم اور روشن پہلو ہے۔ اسلامی تاریخ میں بھرت کے باب میں یہ خطبہ کلیدی حیثیت کا حامل ہے۔ اس خطبے نے گویا انصار پر واضح کر دیا کہ وہ جو ذمہ داری اٹھا رہے ہیں وہ کس قدر نازک ہے۔ بقول اقبالؒ

چو می گویم مسلمانم بلزم

کہ دام مشکلات لا الہ را!

اور پھر انصار نے بھی جاں فشانی کا ثبوت دیتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھ پر بیعت کی۔

صحیح بخاری اور دیگر کتب حدیث کے مطابق دورِ فاروقؓ میں ایک مرتبہ شدید قحط پڑا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے انصار و مہاجرین کو مدینہ سے باہر نکالا اور اللہ کی بارگاہ میں عرض کیا: ”اے اللہ! جب تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات تھے تو ہم ان کو وسیلہ بناتے تھے اور آج ہم آپ کے چچا حضرت عباسؓ کو وسیلہ بنانا کر آپ کی بارگاہ میں پیش کر رہے ہیں۔ حضرت عباسؓ نے اپنے ہاتھ دعا کے لیے بلند کیے تو گھٹا گھٹا میں جھوم جھوم کر بر سیں۔ صرف مدینہ منورہ ہی نہیں مکہ مکرمہ بھی باراں رحمت سے سیراب ہوا۔ اسی بنیاد پر آپؓ کو ”ساقی حرمین“ کہا جاتا ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبلؓ نے اپنی ”مند“ میں ”مند عباس“ کے نام سے بہتر احادیث روایت کی ہیں۔ آپؓ کا وصال بیشہ بھری میں مدینہ میں ہوا اور آپؓ کی تدفین جنت البقع میں کی گئی۔

بنا کر دند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن

خدا رحمت گند ایں عاشقان پاک طینت را!

(مرزا مظہر جان جانا)



### بقیہ: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

اہل باطل یہ نہ سمجھیں کہ ہمیں لکارنے والا دنیا سے اٹھ گیا۔ قرآن کی پکار اور ان کی لکار کا علم بلند رکھنے کا عہد کیجیے۔ ان کو خراج تحسین پیش کرنے کا یہی انداز تعمیری بھی ہے اور وقت کا تقاضا بھی۔ آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کی لغزشوں اور کوتا ہیوں سے اپنے نفل بے کراں کے تحت درگز رفرمائے، انہیں اعلیٰ علیمین میں مقام عطا فرمائے۔ لواحقین اور عقیدت مندوں کو صبر جیل سے نوازے اور ان کا رگ یا ہوا پودا خوب برگ و بارلاۓ۔ ع

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد!



# اقسامِ وحی اور قرآن حکیم

پروفیسر حافظ قاسم رضوان

## قرآن حکیم کے نام

علامہ ابوالمعالی شافعی نے قرآن کریم کے بیچن (۵۵) نام شمار کے ہیں، جبکہ بعض اہل علم نے ان کی تعداد نوے (۹۰) سے بھی بڑھ کر بتائی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے قرآن حکیم کی صفات مثلاً حُمید، حَكِيم، حَكِير، وغیرہ کو نام قرار دے کر تعداد اس حد تک پہنچادی ہے، ورنہ صحیح معنوں میں قرآن کریم کے کل پانچ نام ہیں: الْقُرْآن، الْفُرْقَان، الْذِكْر، الْكِتَاب اور الشَّهْرُولی۔ (سیوطی) خود قرآن مجید نے اپنے لیے یہ پانچوں الفاظ بطور اسی علم ذکر کیے ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور نام ”قرآن“ ہے اور اللہ تعالیٰ نے کم از کم اکٹھ (۲۱) مقامات پر اپنے کلام کو اسی نام سے یاد کیا ہے۔

”قرآن“ دراصل قرآن یقرو اے نکلا ہے جس کے لغوی معنی ”جمع کرنا“ کے ہیں، پھر یہ لفظ پڑھنے کے معنوں میں اس لیے استعمال ہونے لگا کہ اس میں حروف اور کلمات کو جمع کیا جاتا ہے۔ (راغب اصفہانی) قرآن یقرو ا کا مصدر ”قراءة“ کے علاوہ ”قرآن“ بھی آتا ہے سورۃ القیامہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّ عَلَيْنَا جِمْعَةٌ وَقُرْآنٌ﴾ (۱۵) ”بلاشہ اس (کتاب) کا جمع کرنا اور پڑھنا ہمارے ہی ذمہ ہے۔ عربی زبان میں کبھی کبھی مصدر کو اسم مفعول کے معنی میں بھی استعمال کر لیا جاتا ہے۔ کلام اللہ کو قرآن اسی معنی میں کہا جاتا ہے، یعنی پڑھی ہوئی کتاب۔ (الاتقان)

## قرآن حکیم کی وجہ تسمیہ

قرآن حکیم کی بہت سی وجہ تسمیہ بیان کی گئی ہیں، لیکن زیادہ راجح یہ معلوم ہوتا ہے کہ کتاب اللہ کا یہ نام غفار عرب کی تردید میں رکھا گیا ہے، وہ کہا کرتے تھے: ﴿لَا تَسْمَعُوا لِهُنَّا الْقُرْآن وَالْغَوّْا فِيهِ﴾ (خم السَّجْدَة: ۲۶) ”تم اس قرآن کو نہ سنو اور دورانِ تلاوت لغو (لاینی) باقیں کیا کرو۔“ گفتار کی ان باتوں کے علی الرغم قرآن نام رکھ کر یہ الہامی اشارہ فرمادیا گیا کہ قرآن ماہنامہ میثاق 2022ء، (73)

مجید کی دعوت کو ان اوچھے ہتھکنڈوں سے نہیں دبایا جاسکتا، یہ کتاب پڑھنے کے لیے نازل ہوئی ہے اور قیامت تک پڑھی جاتی رہے گی۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ قرآن عظیم دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے۔ قرآن عزیز کی اصطلاحی تعریف 'التلویح مع التوضیح' میں یوں بیان کی گئی ہے: هو الكتاب المنزّل على الرسول ﷺ، المكتوب في المصاحف، المنقول اليها نقلًا متواترًا بلاشبہة "الله تعالیٰ کا وہ کلام جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا، مصاحف میں لکھا گیا اور آپ سے بغیر کسی شبہ کے متواتر نقل ہوا۔" یہ تعریف تمام اہل علم کے درمیان متفق علیہ ہے اور اس میں کسی قسم کا اختلاف نہیں۔

## وہی اور اس کی حقیقت

قرآن کریم چونکہ نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بذریعہ وہی نازل کیا گیا ہے، اس لیے وہی کے بارے میں چند بنیادی باتیں جان لینا ضروری ہے:

(۱) وہی کی ضرورت و اہمیت: اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس دنیا میں آزمائش کے لیے بھیجا ہے اور اس کے ذمے کچھ فرائض عائد کر کے پوری کائنات کو اس کی خدمت کے لیے لگادیا۔ لہذا دنیا میں آنے کے بعد انسان کے لیے دو کام ناگزیر ہیں، پہلا یہ کہ وہ چاروں طرف پھیلی کائنات سے ٹھیک ٹھیک کام لے اور دوسرا یہ کہ اس کائنات کو استعمال کرتے ہوئے احکام الہی کو مدنظر رکھ کر کوئی ایسی حرکت اور عمل نہ کرے جو اللہ تعالیٰ (اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم) کی مرضی کے خلاف ہو۔ ان دونوں کاموں کے لیے انسان کو علم، کی ضرورت ہے، اس لیے کہ جب تک اسے یہ معلوم نہ ہو کہ اس کائنات کی حقیقت کیا ہے اور اس کی کون سی چیز کے کیا خواص ہیں تو اس وقت تک وہ دنیا کی کوئی بھی چیز اپنے فائدے کے لیے استعمال نہیں کر سکتا۔ نیز جب تک اسے یہ پتا نہ چلے کہ اللہ کی مرضی اور حکم کیا ہے اور وہ کون سے کاموں کو پسند اور کن کون ناپسند فرماتا ہے تو اس وقت تک اللہ کی مرضی پر کاربند ہونا ممکن نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کرنے کے ساتھ تین چیزیں ایسی پیدا کی ہیں جن کے ذریعے اسے مطلوب باتوں کا علم ہوتا رہے۔ ایک انسان کے حواس یعنی آنکھ، کان، ناک، منہ اور ہاتھ پاؤں، دوسرے عقل اور تیسرا وہی۔ انسان کو بہت سی باتیں اپنے حواس کے ذریعے معلوم ہو جاتی ہیں، بہت سی عقل کے ذریعے اور جو باتیں ان دونوں ذرائع سے معلوم نہیں ہو سکتیں، ان کا علم انسان کو بذریعہ وہی عطا کیا جاتا ہے۔

علم کے ان تینوں ذرائع کی ترتیب ایسی ہے کہ ہر ایک کی ایک خاص حد اور مخصوص دائرہ کار ہے جس سے آگے وہ کام نہیں آتا۔ چنانچہ جو چیزیں انسان کو اپنے حواس سے معلوم ہو جاتی ہیں، ان کا علم صرف عقل سے نہیں ہو سکتا، مثلاً میرے سامنے ایک انسان بیٹھا ہے مجھے اپنی آنکھ کے ذریعے معلوم ہوا کہ یہ انسان ہے، آنکھ نے مجھے یہ بھی بتا دیا کہ اس کا رنگ گورا، پیشانی چوری، بال سیاہ، ہونٹ پتله اور چہرہ کتابی ہے۔ لیکن اگر یہی باتیں میں اپنے حواس کو معطل کر کے حجت عقل سے سمجھنا چاہوں، مثلاً آنکھیں بند کر کے یہ چاہوں کو سامنے بیٹھے انسان کی رنگت، اس کے اعضاء کی صحیح تجویز بناوٹ اور اس کے سر اپا کی پوری تصویر مجھے صرف اپنی عقل کے ذریعے معلوم ہو جائے تو یہ قطعاً ناممکن ہے۔ اسی طرح جن چیزوں کا علم عقل کے ذریعے حاصل ہوتا ہے وہ صرف حواس سے معلوم نہیں کی جاسکتیں، مثلاً مذکورہ شخص کے بارے میں مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ اُس کی کوئی ماں ضرور ہے، نیز یہ بھی علم ہے کہ اسے کسی نے پیدا کیا ہے۔ اگرچہ اس وقت نہ اُس کی ماں میرے سامنے ہے اور نہ ہی اُس کے پیدا کرنے والے کو میں دیکھ سکتا ہوں، لیکن میری عقل بتا رہی ہے کہ یہ شخص بن ماں باپ خود پیدا نہیں ہو سکتا۔ اب اگر میں یہ علم اپنی عقل کی بجائے اپنی آنکھ سے حاصل کرنا چاہتا تو یہ بالکل ممکن نہیں، کیونکہ اس کی تخلیق اور پیدائش کا منظرد و بارہ میری آنکھوں کے سامنے آہی نہیں سکتا۔

غرض جہاں تک حواسِ خمسہ کا تعلق ہے وہاں تک عقل کوئی رہنمائی نہیں کرتی اور جہاں حواسِ خمسہ جواب دے دیتے ہیں، وہیں سے عقل کا کام شروع ہو جاتا ہے۔ لیکن اس عقل کی رہنمائی بھی غیر محدود نہیں، بلکہ یہ بھی ایک حد پر جا کے رک جاتی ہے۔ بہت سی باتیں ایسی ہیں جن کا علم نہ تو حواس کے ذریعے حاصل ہو سکتا ہے اور نہ ہی عقل کے ذریعے، مثلاً مذکورہ بالا شخص کے بارے میں عقل نے یہ بتا دیا کہ اسے کسی نے پیدا کیا ہے، لیکن اس کو کیوں پیدا کیا گیا، اس کے ذمے اللہ کی طرف سے کیا فرائض اور احکامات ہیں، اس کا کون سا کام اللہ کو پسند ہے اور کون سا ناپسند، تو یہ سب سوالات ایسے ہیں کہ عقل اور حواس اکٹھے ہو کر بھی ان کا جواب نہیں دے پاتے۔ ان سوالات کا جواب حاصل کرنے کے لیے جو ذریعہ اللہ نے مقرر فرمایا ہے، اسی کا نام ”وحی“ ہے۔

”وحی“ انسان کے لیے وہ اعلیٰ ترین ذریعہ علم ہے جو اسے اس کی زندگی کے متعلق ان تمام سوالات کا جواب مہیا کرتا ہے جو حواس اور عقل کے ذریعے حل نہیں ہو پاتے، لیکن ان کا علم حاصل کرنا اس کے لیے ضروری ہے۔ مذکورہ تشریح سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ صرف عقل اور مشاہدہ ہی انسان کی رہنمائی کے لیے کافی نہیں، بلکہ اس کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے وحی الہی ایک ناگزیر ضرورت ہے۔ بنیادی طور پر وحی کی ضرورت پیش ہی اس جگہ آتی ہے جہاں عقل کا مام نہیں دیتی، اس لیے یہ بھی ماہنامہ **میثاق** (75) ڈسمبر 2022ء

ضروری نہیں کہ وحی کی ہربات کا دراک عقل سے ہو جائے۔ جس طرح کسی چیز کا رنگ معلوم کرنا عقل کا نہیں بلکہ حواس کا کام ہے اسی طرح بہت سے دینی معتقدات کا علم عقل کی بجائے وحی کا منصب ہے اور ان کے ادراک کے لیے محض عقل پر بھروسہ قطعاً درست نہیں۔

وحی کا مفہوم: 'وَحْيٌ' اور 'إِيحَاءٌ' عربی زبان کے الفاظ ہیں اور لغت میں ان کے معنی 'جلدی سے کوئی اشارہ کر دینا' کے ہیں، خواہ یہ اشارہ رمز و کنایہ استعمال کر کے کیا جائے، خواہ کوئی بے معنی آواز نکال کر خواہ کسی عضو کو حرکت دے کر یا تحریر و نقوش استعمال کر کے۔ ہر صورت میں لغت کے حوالے سے اس پر یہ الفاظ صادق آتے ہیں (تاج العروس)۔ حضرت زکریا علیہ السلام کا واقعہ بیان کرتے ہوئے سورہ مریم میں ارشاد ہوا: ﴿فَنَرَجَ عَلَى قَوْمٍ مِّنَ الْمُحَرَّابِ فَأَوْحَى إِلَيْهِمْ أَنْ سِجِّلُوا بُكْرَةً وَّعَشِيشًا﴾ (۱۰) "پس وہ اپنی قوم کے سامنے محراب سے نکلے اور انہیں اشارہ کیا کہ صبح و شام تسبیح کرتے رہا کرو۔" ظاہر ہے کہ اس قسم کے اشارے سے مقصد یہی ہوتا ہے کہ مخاطب کے دل میں کوئی بات ڈال دی جائے، اس لیے لفظ 'وحی' اور ایحاء، دل میں کوئی بات ڈالنے کے معنوں میں بھی استعمال ہونے لگا۔

قرآن مجید کی متعدد آیات میں یہی معنی مراد ہیں، جیسے سورۃ النحل میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَأَوْحَى رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ أَنِ اتَّخِذِنِي مِنَ الْجَبَالِ بُيُوتًا وَمِنَ الشَّجَرِ....﴾ (آیت ۲۸) اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ تو پہاڑوں اور درختوں میں گھر بنالے....." بیباں تک کہ شیاطین دلوں میں جو سو سے ڈالتے ہیں، ان کے لیے بھی یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے، جیسے سورۃ الانعام میں فرمان الہی ہے:

﴿وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيْطَنَ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِنِ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ﴾ (آیت ۱۱)

"اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لیے ایک نہ ایک دشمن ضرور پیدا کیا ہے، جن وانس کے شیاطین (میں سے جو) ایک دوسرے کے دل میں وسو سے ڈالتے ہیں، تاکہ تمہارے ساتھ جگہٹا کریں۔"

﴿وَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَيُوْحُونَ إِلَى أُولَئِيَّهُمْ لِيُجَادِلُنُّكُمْ﴾ (آیت ۱۲۱)

"اور بلاشبہ شیطان اپنے دشمنوں کے دلوں میں وسو سے ڈالتے ہیں، تاکہ تمہارے ساتھ جگہٹا کریں۔"

اللہ تعالیٰ فرشتوں سے جو خطاب فرماتے ہیں، اسے بھی 'ایحاء' کہا گیا ہے۔ سورۃ الانفال میں فرمایا: مہنماہ میثاق ————— (76) ————— دسمبر 2022ء

**إِذْ يُوحَىٰ رَبُّكَ إِلَيْهِ مَنْ كَوَافِرُهُ** (آیت ۱۲)

”جب حکم بھیجا تیرے رب نے فرشتوں کو کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔“

کسی غیر نبی کے دل میں جوبات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈالی جاتی ہے، اسے بھی اسی لفظ سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ سورۃ القصص میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

**وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ مُوسَىٰ أَنْ أَرْضِعِيهِ** (آیت ۷)

”اور ہم نے موسیٰ کی والدہ کو الہام کیا کہ اسے دودھ پلاو۔“

یہ سب ان دونوں لفظوں (وحی اور ایجاد) کے لغوی معنی ہیں۔ اب شرعی اصطلاح میں ”عمدة القارئ“ کے مطابق وحی کی تعریف یہ ہے:

**كَلَامُ اللَّهِ الْمَنْزَلُ عَلَى نَبِيٍّ مِّنْ أَنْبِيَاءِهِ**

”اللہ تعالیٰ کا وہ کلام جو اس کے نبیوں میں سے کسی نبی پر نازل ہو۔“

یہاں یہی ذہن میں رکھنا چاہیے کہ لفظ وحی اپنے اصطلاحی معنی میں اتنا مشہور ہو چکا ہے کہ اب اس کا استعمال نبی اور رسول کے سوا کسی اور کے لیے درست نہیں۔ علامہ انور شاہ کاشمیریؒ کا کہنا ہے کہ ”وحی“ اور ”ایجاد“ دو الگ الگ لفظ ہیں اور ان دونوں میں تھوڑا سا فرق ہے۔ ”ایجاد“ کا مفہوم عام ہے، انبیاء پر وحی نازل کرنے کے علاوہ کسی کو اشارہ کرنا اور کسی غیر نبی کے دل میں کوئی بات ڈالنا بھی اس کے مفہوم میں داخل ہے، لہذا یہ لفظ نبی اور غیر نبی دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے، اس کے برخلاف ”وحی“ صرف اس الہام کو کہتے ہیں جو کہ انبیاء و رسول ﷺ پر نازل ہو۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن عزیز نے لفظ ”ایجاد“ کا استعمال تو نبی اور غیر نبی دونوں کے لیے استعمال کیا ہے، لیکن لفظ ”وحی“ سوائے انبیاء کے کسی اور کے لیے استعمال نہیں فرمایا۔ (فیض الباری)

گویا وحی وہ ذریعہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ اپنا کلام اپنے خاص منتخب بندوں تک پہنچاتا ہے اور پھر اس کے ذریعے تمام انسانوں تک۔ چونکہ وحی اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان ایک مقدس تعلیمی رابطہ کی حیثیت رکھتی ہے اور اس کا مشاہدہ صرف انبیاء کے کرام ﷺ کو ہی ہوتا ہے، تو ہمارے لیے اس کی صحیح حقیقت کا ادراک بھی ممکن نہیں، البتہ اس کی اقسام اور کیفیات کے بارے میں کچھ معلومات خود قرآن و حدیث نے فراہم کی ہیں، صرف انہی کو یہاں بیان کیا جا سکتا ہے۔

**وَحْيَ كَيْ تَعْلِيمَاتٍ**: وحی الہی کے ذریعے بندوں کو صرف انہی باتوں کی تعلیم دی جاتی ہے جو وہ محض اپنی عقل اور حواس سے معلوم نہ کر سکیں۔ یہ یا تین خالص مذہبی نوعیت کی بھی ہو سکتی ہیں اور عام دنیا وی ضروریات کی بھی۔ انبیاء کی وحی عموماً پہلی قسم کی ہوتی ہے لیکن حسب موقع معلومات اور ضروریات بھی

بذریعہ وحی بتائی گئی ہیں، مثلاً حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی بنانے کا حکم دیا گیا:  
 ﴿وَاضْنَعُ الْفُلْكَ إِلَّا عَيْنِنَا وَوَحْيَنَا﴾ (ہود: ۳۷)  
 ”اور کشتی بناؤ ہماری نگاہوں کے سامنے اور ہماری وحی کے (ذریعے ہدایات کے  
 مطابق۔“

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی کی صنعت بذریعہ وحی سکھائی گئی تھی۔ اسی طرح حضرت داؤ و غایلہ کو زرہ سازی کی صنعت اور حضرت آدم علیہ السلام کو اشیاء کے خواص کا علم بذریعہ وحی سکھایا گیا، بلکہ ایک روایت یہ ہے کہ علم طب بنیادی طور پر بذریعہ وحی نازل ہوا۔

## وحی کی اقسام

علامہ انور شاہ کاشمیری ”فیض الباری“ میں فرماتے ہیں کہ ابتدائی طور پر وحی کی تین قسمیں ہیں:  
 (ا) وحی قلبی: اس قسم میں باری تعالیٰ برآوراست نبی کے قلب کو سخن فرمایا کہ اس میں کوئی بات ڈال دیتے ہیں۔ اس میں نہ فرشتے کا واسطہ ہوتا ہے اور نہ ہی نبی کی قوتِ سامعہ اور حواس کا۔ لہذا کوئی بھی آواز نبی کو سنائی نہیں دیتی، بلکہ کوئی بات قلب میں جا گزیں ہو جاتی ہے اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ بات برآوراست اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتی ہے۔ یہ کیفیت بیداری میں بھی ہو سکتی ہے اور خواب میں بھی۔ بھی وجہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کا خواب بھی وحی ہوتا ہے، جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبح کرنے کا حکم اسی طرح دیا گیا تھا۔

(ب) کلام الہی: اس قسم میں باری تعالیٰ برآوراست نبی کو اپنی ہم کلامی کا شرف عطا فرماتا ہے۔ اس میں بھی کسی فرشتے کا واسطہ نہیں ہوتا لیکن نبی کو ایک آواز سنائی دیتی ہے۔ یہ آواز مخلوقات کی آواز سے بالکل جدا ایک عجیب و غریب کیفیت کی حامل ہوتی ہے جس کا دراک عقل سے ممکن نہیں۔ جو انبیاء اسے سنتے ہیں وہی اس کی کیفیت اور اس کے سرور کو پہچان سکتے ہیں۔ وحی کی اس قسم میں چونکہ اللہ تعالیٰ سے برآوراست ہم کلامی کا شرف حاصل ہوتا ہے، اس لیے یہ قسم وحی کی تمام قسموں میں سب سے افضل اور اعلیٰ ہے۔ اسی لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فضیلت بیان کرتے ہوئے سورۃ النساء میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَكَلَمَ اللَّهُ مُؤْسِى تَكْلِيمًا﴾ ”اور اللہ تعالیٰ نے موسیٰ سے خوب باقیں کیس۔“

(ج) وحی ملکی: اس قسم میں اللہ تعالیٰ اپنا پیغام اور کلام کسی فرشتے کے ذریعے نبی تک بھیجتا ہے۔ بعض اوقات یہ فرشتہ نظر نہیں آتا اور صرف اس کی آواز سنائی دیتی ہے، بعض اوقات وہ کسی انسان کی ماننا میثاق

شکل میں سامنے آ کر پیغام پہنچا دیتا ہے اور کبھی بھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ نبی کو فرشتہ اپنی اصل صورت میں نظر آ جائے۔

قرآن کریم میں وحی کی انہی تین اقسام کی طرف سورۃ الشوریٰ میں اشارہ فرمایا گیا ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَآئِيْ حِجَابٍ أَوْ يُرِسِّلَ رَسُولًا فَيُوحِيْ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ﴾ (آیت ۱۵)

”اور کسی بشر کے لیے ممکن نہیں ہے کہ اللہ اس سے (روبرو) بات کرئے، مگر دل میں بات ڈال کر یا پردے کے پیچھے سے یا کسی پیغام بر (فرشتے) کو بھیج کر جو اللہ کی اجازت سے، جو اللہ چاہے وحی نازل کرے۔“

اس آیت کریمہ میں **«وَحْيًا»** ”دل میں بات ڈالنے“ سے مراد پہلی قسم یعنی وحی قبلی ہے، **«مِنْ وَرَآئِيْ حِجَابٍ»** ”پردے کے پیچھے“ سے مراد دوسرا قسم یعنی کلامِ الہی اور **«يُرِسِّلَ رَسُولًا»** ”پیغام بر (فرشتے) کو بھیجننا“ سے مراد تیسرا قسم یعنی وحی ملکی ہے۔

### حضور ﷺ پر وحی کے طریقے

نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ پر مختلف طریقوں سے وحی نازل ہوتی تھی۔ صحیح بنواری کی ایک حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت حارث بن شام شافعیؓ نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ آپ پر وحی کس طرح آتی ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((أَخْيَانًا يَأْتِينَ مِثْلَ صَلْصَلَةِ الْجَرْسِ، وَهُوَ أَشَدُهُ عَلَىٰ فَيُفَصِّمُ عَيْنَيْهِ، وَقَدْ وَعَيْنَتُ عَنْهُ مَا قَالَ، وَأَخْيَانًا يَتَمَثَّلُ لِي الْمَلَكُ رَجُلًا فَيُكَلِّمُنِي فَأَعْنَى مَا يَقُولُ)) ”بھی تو مجھے گھنٹی کی سی آواز سنائی دیتی ہے اور وحی کی یہ صورت میرے لیے سب سے زیادہ سخت ہوتی ہے، پھر جب یہ سلسلہ ختم ہوتا ہے تو جو کچھ آواز سے کہا ہوتا ہے وہ مجھے یاد چکا ہوتا ہے، اور کبھی فرشتہ میرے سامنے ایک انسان کی صورت میں آتا ہے اور مجھ سے کلام کرتا ہے، پس میں اس کا کہا ہوا یاد کر لیتا ہوں۔“ اس حدیث بنوبی سے حضور اقدس ﷺ پر زرزوںِ وحی کے دو طریقے معلوم ہوتے ہیں:

(۱) **صلصلة الجرس**: اس طریقے میں حضور اقدس ﷺ کو اس قسم کی آواز آیا کرتی تھی جیسے گھنٹیاں بجنتے سے پیدا ہوتی ہے۔ حدیث میں تو صرف اتنا ہی مذکور ہے، اس لیے پورے یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ اس قسم کی وحی کو کس اعتبار سے گھنٹیوں کے بجنتے تے تشبیہ دی گئی ہے۔ بعض علماء نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ فرشتے کی آواز ہوتی تھی، بعض علماء کے نزدیک فرشتہ وحی لاتے وقت اپنے پروں کو پھر پھر اتنا تھا، اس سے یہ آواز پیدا ہوتی تھی۔ علامہ خطابی کی رائے کے مطابق یہاں تشبیہہ ماہنامہ میثاق ۷۹، دسمبر 2022ء

آواز کے تنمیں بلکہ اس کے تسلیل میں ہے کہ جس طرح گھنٹی کی آواز مسلسل ہوتی ہے اور کسی جگہ ٹوٹنیں، اسی طرح وحی کی آواز بھی مسلسل ہوا کرتی تھی (فتح الباری)۔ لیکن یہ سب قیاسات ہیں اور ان کی بنیاد پر کوئی تینی بات نہیں کہی جا سکتی۔ البتہ علامہ انور شاہ کاشمیریؒ نے ابن عربی سے نقل کر کے اس تشییہ کا جو مطلب بیان کیا ہے وہ مذکورہ بالاتمام توجیہات سے زیادہ لطیف ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ تشییہ دو اعتبار سے دی گئی ہے۔ ایک تو آواز کے تسلیل کے اعتبار سے جیسے کہ اوپر بیان ہوا۔ دوسرے اس اعتبار سے کہ گھنٹی جب مسلسل نج رہی ہو تو عموماً سننے والے کو اس کی آواز کی سمت متعین کرنا مشکل ہوتا ہے، کیونکہ اس کی آواز ہر جہت سے آتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ ذات باری تعالیٰ چونکہ جہت سے اور مکان سے منزہ ہے، اس لیے کلامِ الہی کی بھی یہ خصوصیت ہے کہ اس کی آواز کسی ایک سمت سے نہیں آتی بلکہ ہر جہت سے آتی ہے۔ اس کیفیت کا صحیح ادراک تو بغیر مشاہدے کے ممکن نہیں، لیکن اس بات کو عام ذہنوں کے قریب لانے کے لیے آنحضرت ﷺ نے اسے گھنٹیوں کی آواز سے تشییہ دی ہے (فیض الباری)۔

بہر حال اس تشییہ کی صحیح ٹھیک کیفیت کا علم تو اللہ ہی کو ہے یا اس کے رسول ﷺ کو؟ حدیث سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کو وحی کے اس خاص طریقے میں گھنٹیوں کی سی آواز آیا کرتی تھی۔ ساتھ ہی حدیث میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ وحی کا یہ طریقہ حضور اقدس ﷺ پر سب سے زیادہ دشوار ہوتا تھا۔ حافظ ابن حجرؓ کا کہنا ہے کہ ”وَهُوَ أَشَدُ عَلَىٰ“ کے الفاظ سے پتا چلتا ہے کہ یوں تو وحی کا ہر ایک طریقہ سخت ہوتا تھا، لیکن اس گھنٹیوں کی آواز والے طریقے میں سب سے زیادہ بار ہوا کرتا تھا۔ وجہ یہ ہے کہ کہنے اور سننے والے میں کسی نہ کسی طور پر مناسبت پیدا ہونی تو لازم ہے۔ اب اگر فرشتہ انسانی شکل میں آجائے تو حضور ﷺ پر کوئی غیر معمولی باری نہیں پڑتا تھا، صرف کلامِ الہی کے جلال وغیرہ کا بار ہوتا تھا۔ اس کے برخلاف جب فرشتہ انسانی شکل میں نہ آئے، بلکہ اس کی آواز یا براہ راست باری تعالیٰ کا کلام سنائی دے تو یہ ایک غیر معمولی کیفیت ہوتی تھی، اس سے مانوس ہونے اور استفادہ کرنے میں حضور ﷺ پر زیادہ بوجھ پڑتا تھا۔ چنانچہ حضرت عائشہؓؑ صحیح بخاری کی مذکورہ بالا حدیث کے آخر میں فرماتی ہیں: وَلَقَدْ رَأَيْتُهُ يَئِزِيلُ عَلَيْهِ الْوَخْنَ في الْيَوْمِ الشَّدِيدِ الْبَرِدِ فَيَقْصُمُ عَنْهُ وَإِنَّ جَبِينَهُ لَيَنْقَصِدُ عَرَقًا ”میں نے سخت جاڑوں کے دن میں آپؐ پر وحی نازل ہوتی دیکھی ہے، (ایسی سردی میں بھی) جب وحی کا سلسہ ختم ہوتا تو آپؐ کی پیشانی مبارک پسینے سے شرابور ہو چکی ہوتی تھی۔ اسی حوالے سے ایک روایت میں حضرت عائشہؓؑ کا کہنا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ پر وحی نازل ہوتی تو آپؐ کا سانس رکنے لگتا، چہرہ انور متغیر ہو کر بھجوکی شاخ کی ماہنامہ **میثاق** 2022ء

طرح زرد پڑ جاتا، سامنے کے دانت سردی سے کپکپانے لگتے اور آپ کو اتنا پسینہ آتا کہ اس کے قطرے موتیوں کی طرح ڈھلنے لگتے تھے۔ (الاقان)

وہی کی اس کیفیت میں بعض اوقات اتنی شدت پیدا ہو جاتی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس جانور پر اس وقت سوار ہوتے، وہ آپ کے بوجھ سے دب کر بیٹھ جاتا۔ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا زانوئے مبارک حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے زانو پر رکھا ہوا تھا کہ اسی حالت میں وہ نازل ہونا شروع ہو گئی۔ اس سے حضرت زید رضی اللہ عنہ کے گھٹنے اور ان پر اتنا بوجھ پڑا کہ جیسے وہ ٹوٹے لگی ہو۔ (صحیح البخاری) بعض اوقات اس وہی کی بکلی بکلی آواز دوسروں کو بھی سنائی دیتی تھی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جب آپ پر وہی نازل ہوتی تو آپ کے چہرہ انور کے قریب شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ جیسی آواز سنائی دیتی تھی۔

(۲) تمثیل ملک: وہی کی دوسری صورت جس کا اس حدیث میں ذکر ہے، وہ یہ ہے کہ فرشتہ کی انسانی شکل میں آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا پیغام پہنچا دیتا تھا۔ ایسے موقع پر حضرت جبراہیل علیہ السلام عموماً حضرت وحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی شکل میں تشریف لاتے تھے۔ علامہ عسکریؑ کا کہنا ہے کہ صحابہ میں سے حضرت وحیہ کلبیؑ کا انتخاب شاید اس لیے کیا گیا ہو کہ وہ اپنے وقت کے حسین ترین انسان تھے اتنے حسین کر اپنے چہرے کو پیٹ کر چلا کرتے تھے۔ البتہ بعض مواقع پر حضرت جبراہیل کا دوسری انسانی صورتوں میں آنا بھی ثابت ہے، مثلاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مشہور روایت (حدیث جبریل) میں وہ بالکل ایک اجنبی کی صورت میں تشریف لائے تھے۔ بہر حال اس پر اتفاق ہے کہ جو فرشتہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر وہی لاتا تھا، وہ حضرت جبراہیل علیہ السلام تھے۔ سورۃ البقرۃ میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوا لِجَنَاحِيْنَ فَإِنَّهُمْ نَذَّلُهُ عَلَى قَلْبِكَ﴾ (آیت ۷۶) ”کہہ دو کہ جو شخص جبراہیل کا دشمن ہو تو (ہوا کرے)، اسی نے یہ (قرآن) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر اتارا ہے۔“ وہی کی اس صورت میں فرشتہ انسانی شکل میں آیا کرتا تھا اور آپ کو کوئی خاص دشواری پیش نہیں آتی تھی۔ ”الاقان“ کی ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی کی اس صورت کا ذکر کر کے فرمایا: ((وَهُوَ أَهْوَنُهُ عَلَيْهِ)) ”اور یہ صورت میرے لیے سب سے زیادہ آسان ہوتی ہے۔“



میثاق، حکمت قرآن اور ندائی خلافت کے انٹرنیٹ ایڈیشن  
 تنظیم اسلامی کی ویب سائٹ [www.tanzeem.org](http://www.tanzeem.org) پر ملاحظہ کیجیے۔

## باقیہ: عرض احوال

مغربی دنیا صنعتی قابلیت اور میشنوں کی دولت کے زبردست فوائد رکھنے کے باوجود انسانی تاریخ کے بدترین باطنی بحران میں بنتا ہے۔“

یہ مغرب کا معاشری نظام ہی تھا جس نے اسے اخلاقی، معاشرتی اور انسانی بحران کا شکار کیا۔ اب اسی نظام کے تحت مسلمان معاشروں کو بھی تباہ کیا جا رہا ہے۔ اگر قائدِ اعظم کے فرمان پر ہو بھول ہوتا تو آج پاکستان میں نہ تو اقتصادی بحران ہوتا، نہ ٹرانس جینڈر ایکٹ جیسے قانون بنتے اور نہ ہی جوائے لینڈ جیسی اخلاقی باختہ فلموں کی نمائش مکن ہوتی۔ حقیقت یہ ہے کہ سودی نظام کے خلاف پاکستان کے تین اعلیٰ عدالتی فیصلوں کے باوجود ہماری اشرافیہ ملک اور قوم کو اس الیمی شکنچ سے آزاد کرنے پر تیار نہیں ہو رہی۔

حل آج سے چودہ سو سال پہلے اللہ کے آخری رسول ﷺ نے اپنی پاک سیرت میں سمجھا دیا ہے کہ جہاں ظلم، جبرا اور شیطنت کا راج ہو وہاں کلمہ حق بلند کر کے منکرات کے خلاف کھڑے ہو جاؤ، جس طرح آپ ﷺ نے کہ میں اشرافیہ کے قائم کیے ہوئے ظلم و استھصال پر بنی نظام کے خلاف کلمہ حق بلند کیا تھا۔ اس انقلاب کے لیے طائف اور أحد میں اپنا لہو بھایا، أحد میں اپنے پیارے ستر صحابہ کرامؓ کو شہید ہوتے دیکھا، پیٹ پر پتھر باندھے، بھرت کے مصائب اٹھائے۔ پاکستان کے لیے بھی عظیم بھرت کی گئی اور بے پناہ قربانیاں دی گئیں، جو درحقیقت اسلام اور اسلامی معاشرت کے لیے تھیں لیکن ان قربانیوں کے ثمرات کے راستے میں اشرافیہ حائل ہو گئی۔ چنانچہ ایک بار پھر مسلمانان پاکستان کو اسی مقصد کے لیے کھڑے ہونا ہو گا جس کے لیے ان کے باپ دادا نے یہ عظیم قربانیاں دی تھیں۔ وہ مقصد یہ ہے کہ پاکستانی قوم منکرات کے خلاف کھڑی ہو جائے، خاص طور پر جوائے لینڈ اور ٹرانس جینڈر ایکٹ جیسے شیطانی حملوں کے خلاف ڈٹ کر کھڑی ہو جائے۔ منکرات کے خلاف یہی جدوجہد پاکستانی قوم کو اس عظیم مقصد سے ہمکنار کرے گی، یعنی ایک اسلامی فلاجی پاکستان جس کا خواب بانیاں پاکستان اور اس کے لیے بھرت کرنے والوں نے دیکھا تھا۔

اطلاع برائے قارئین:

جنوری 2023ء سے **میناٹ** کا سالانہ زرعی اعلان 500 روپے اور فی شمارہ قیمت 50 روپے ہو گی۔

# داعیٰ قرآن داکٹر راحمدؒ کی چند فکر انگیز تالیفات

عقلمن مصطفیٰ، مقصود بعثت، اسوہ رسول ﷺ اور سیرت نبویؐ کے انتدابی پہلوؤں پر مشتمل مقالات کا مجموعہ

قرآن حکیم کی عظمت و تعارف اور حقوق و مطالبات جیسے علمی و عملی موضوعات پر 8 کتابوں کا مجموعہ

## رسولِ اکرمؐ اور ہم

اشاعت خاص 600 روپے، اشاعت عام 350 روپے

## قرآن حکیم اور ہم

اشاعت خاص 600 روپے، اشاعت عام 350 روپے

سیرت مطہرہ کامل پڑی موضوع پر داکٹر صاحب کی زندگی کے آخری خطابات کا مجموعہ

سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں اسلامی انقلاب کے مرحلہ و مدارج اور لوازم

## سیرتِ خیرُ الانام

صفحات 240، قیمت 350 روپے

## منهج انقلابِ نبوی

مجلد 500 روپے، غیر مجلد 300 روپے

شرک کی حقیقت، اقسام اور دروڑ حاضر کے شرک سے واقفیت کے لیے مطالعہ کیجئے

اخلاص فی العبادت اور اقا مسٹر دین کی اہمیت و فرضیت، لعنوان:

## حقیقت و اقسامِ شرک

اشاعت خاص 160 روپے، اشاعت عام 80 روپے

## توحیدِ عملی

سورۃ الزمر تا سورۃ الشوریؐ کی روشنی میں

اشاعت خاص 225 روپے، اشاعت عام 150 روپے

خلافت کی حقیقت، تاریخی پس منظر، عہد حاضر میں اس کا ذہانچہ اور اس کے قیام کے نبوی طریق پر مشتمل

امت مسلمہ سے خطاب کے سمن میں قرآن کی جامع ترین سورت

## خلافت کی حقیقت

اور عصر حاضر میں اس کا نظام

اشاعت خاص 300 روپے، اشاعت عام 180 روپے

## سُورَةُ الْحَدِيد

(أُمُّ الْمُسَيْحَاتِ) کی مختصر تعریف

اشاعت خاص 500 روپے، اشاعت عام 225 روپے

مکتبہ خدام القرآن 36-K ماؤنٹ ٹاؤن لاہور  
فون 042)35869501-3 ویب سائٹ [www.tanzeem.org](http://www.tanzeem.org) ای میل [maktaba@tanzeem.org](mailto:maktaba@tanzeem.org)

Dec. 2022  
vol.71

Regd. CPL No.115  
No.12

Monthly **Meesaq** Lahore



BANASPAJI & COOKING OILS

کچھ خاص منہ کھانے بین



[KausarCookingOils](#)